جلد ۲۱

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پی این ایس سی کے لئے قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

اب جبکہ پی این ایس سی کے جہاز دنیا کے تمام بڑے بندرگاہوں میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہیں ہم اپنی کارکردگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں اپنے تمام تر وسائل اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر قوم کو بہتر سے بہتر خدمت فراہم کرنا ہے۔

اس مقصد کے حصول کیلئے ہم پوری لگن کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ ہونے کے اعزاز نے ہمیں ایک ایسا ولولہ بخشا ہے جس نے قوم کی طرف سے عائد کی ہوئی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ہمیں کامیاب کیا ہے

پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

Paragon ● PNSC-15 (PID Islamabad)
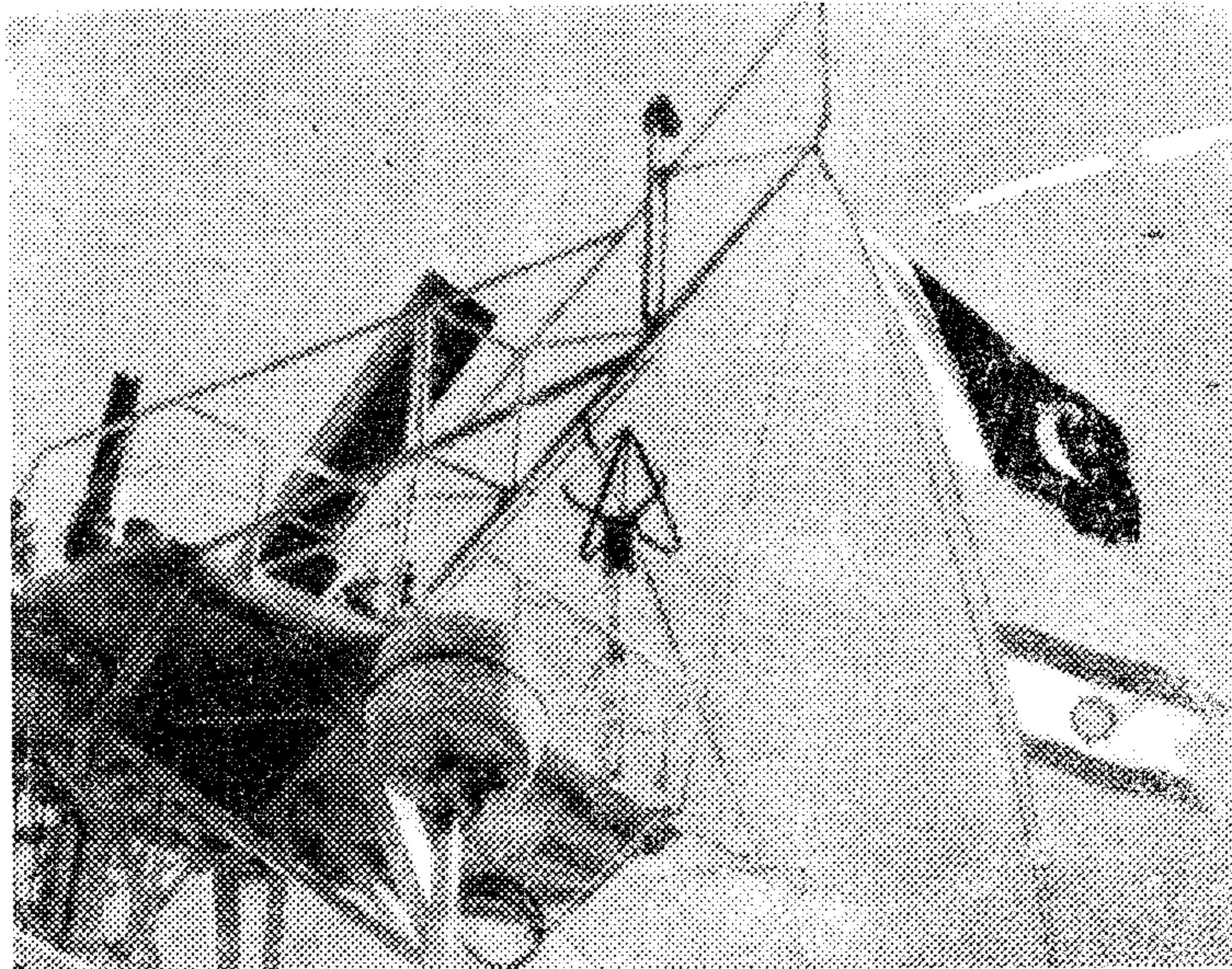
اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

فون نمبر				
رہائش ۲	لہٗ دعوۃ الحق	جلد نمبر	۲۱
دارالعلوم ۴	قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار	شمارہ نمبر	۱
الحق ۴۰	ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک	محرم الحرام	۱۴۰۶ھ
		اکتوبر	۱۹۸۵ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارہ میں

★

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ : -/۴۰ روپے ——— فی پرچہ چار روپے

بیرون ملک بحری ڈاک چھ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک دس پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز
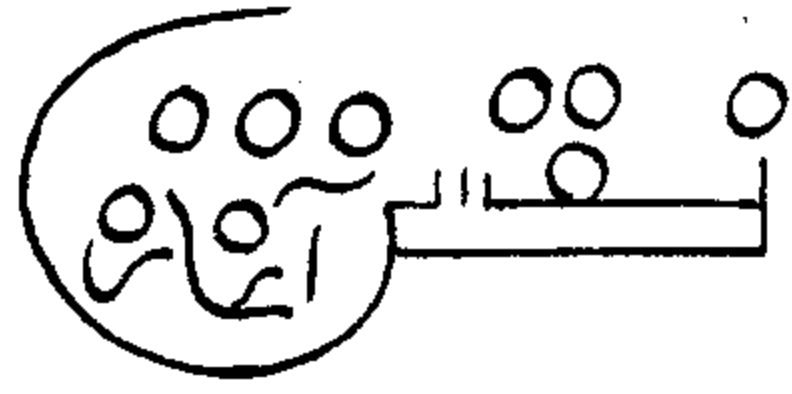
ماہنامہ الحق نے محض فضل ایزدی اور اسی کریم و قدیر ذات کے اعتماد و بھروسہ پر ۱۴۰۶ھ کے آغاز کے ساتھ زندگی کی دو دہائیاں پوری کر کے تیسری دہائی یعنی حیات مستعار کی اکیسویں منزل میں قدم رکھا سفر کا یہ طویل عرصہ اور بیس سالہ زندگی کی یہ روئیداد ان مختصر صفحات میں نہ لکھی جا سکتی ہے اور نہ لکھنا زیب دیتا ہے۔ مادی ذرائع کے فقدان، وسائل کی قلت اور بے بضاعتی کے باوجود جو کچھ بھی ہوا محض فیاض ازل کے فضل و کرم اور اسی کے الطاف و عنایات ہی سے ہوا اور الحمدللہ کہ اس عرصہ میں ماہنامہ الحق حالات سے مصالحت، مداہنت، کسی کی دلآزاری و دلشکنی، کسی کی ناراضگی و عتاب، جان بوجھ کر کسی طمع و خوف، یا ذاتی رجحانات، جتھہ بندی اور گروہی تعصب سے بالاتر رہ کر محض رضائے الٰہی کی خاطر، حق کی سربلندی اور علوم نبوت کی روشنی میں راہ صواب کی نشاندہی کرتا رہا ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے، تیری فکر سے، تیری یاد سے تیرے نام سے

اس موقعہ پر ہم اپنے ان اکابر، مشائخ، علماء اور مخلص قارئین و معاونین کے بھی صمیم قلب سے شکر گذار ہیں جن کی سرپرستی معاونت پر خلوص تمناؤں اور دعاؤں سے اتنا بڑا کام ہوتا رہا۔ اور ہو رہا ہے جس کا **تصور خواب و** خیال میں بھی نہیں ہو سکتا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

مدیر الحق اپنی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے افسوس کہ خود نقش آغاز تو نہ لکھ سکے مگر پارلیمنٹ کی کارکردگی کے بارہ میں رواروی اور عجلت میں جو کچھ بتلایا وہ حسب ذیل ہے:

اکتوبر کے آخری ہفتہ میں ملک کے سب سے بڑے منتخب ادارے سینٹ نے ہمارے پیش کردہ شریعت بل سے متعلق سٹینڈنگ کمیٹی کو مزید مہلت دینے کی تجویز ۱۵ کے مقابلہ میں ۱۷ سے مسترد کر کے محرکین بل کی جانب سے منتخب کردہ کمیٹی کے حوالے کر دیا۔

شریعت بل کو بطور ایجنڈا شامل کرنے کے بعد یہ دوسری عظیم الشان کامیابی تھی جس سے اللہ کریم نے

رکین بل کو نوازا جبکہ حکومتی کمیٹی نے تین ماہ کی مزید مہلت مانگنے اور شریعت بل کو معرضِ التوا میں ڈالنے کی سر توڑ
کوششیں کیں جسطرح کہ قومی اسمبلی میں شریعت بل کے مسئلہ پر حامی ارکانِ اسمبلی، طویل مباحث اور لفظی ہیر پھیر
میں پڑنے اور مخالفین بل کی مخفی تدابیر اور چال سے بے خبر رہ جانے کی وجہ سے نیا اجلاس بلائے جانے کی
بجائے جاری اجلاس کو ملتوی قرار دیکر شریعت بل کو ٹال دیا گیا۔

سینٹ میں شریعت بل کو فوری زیرِ بحث لانے کے حق میں کامیابی اور حکومت کی ناکامی کو جمہوری
اور پارلیمانی نقطۂ نظر سے اربابِ حکومت کے لئے ایک بہت بڑی شکست تھی۔ اور دوسری سب سے بڑی
کامیابی یہ ہے کہ حکومت نے ہمارے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے۔ کہ سینٹ کے حالیہ اجلاس میں نویں ۹ ترمیمی
بل کی دفعہ نمبر ۲ میں قرآن و سنت کو تمام قوانین کا منبع و سرچشمہ اور اصل قرار دے کر اسلامی قوانین کی بالادستی
اور مکمل آئینی تحفظ دے دیا جائے گا۔

نیز دفعہ ۲۰۳ جو حقیقت میں نظامِ اسلام کیلئے دفعہ ۳۰۲ (موجب قتل سزا) ہے جس کے پیش نظر
پرسنل لاء (عائلی قوانین) اور مالیات گویا اسلام کے معاشرتی سماجی اور معاشی نظام پر پابندی لگا دی
گئی ہے۔ کو حذف کر دیا جائے گا۔ یہی وہ اصل مقصد اور نفاذِ اسلام کا واحد آئینی راستہ ہے جس کے
پیشِ نظر ہمارے اکابر علماء الیکشن لڑتے، پارلیمنٹ میں جاتے اور آئینی جنگ لڑتے رہے۔ کیا عجب
کہ ان کی قربانیاں رنگ لائی ہوں کہ منزل قریب آگئی ہے۔

کیونکہ اس دفعہ کے حذف ہو جانے سے مکمل نظامِ اسلام کے نفاذ کا عمل ممکن اور سہل ہو جائے
گا، ان دفعات میں ترامیم سے قرآن و سنت کے خلاف سارے قوانین ناجائز قرار دئے جا سکیں گے۔
اور اس کے ساتھ ہی صدرِ مملکت، وزیرِ اعظم، صوبائی اور قومی اسمبلیوں، پارلیمنٹ، وفاقی اور صوبائی
دستوں، تمام بااختیار اداروں کیلئے یہ ناممکن بنا دیا جائے گا کہ وہ قرآن و سنت کی آئینی بالادستی کے
وجود ایسا کوئی قانون وضع کر سکیں جو نظامِ اسلام سے متصادم ہو۔

اس ہفتے اللہ تعالیٰ نے اس کامیابی سے بھی سرفراز فرمایا کہ شریعت بل کو سلیکٹ کمیٹی نے بھی
محرکین قرارداد کی مرضی کے مطابق قدرے قانونی درستگی کے ساتھ متفقہ طور پر منظور کر لیا ہے جسے
چند روز دن کے اندر ایوانِ بالا (سینٹ) میں پیش کر دیا جائے گا۔

اگر حکومت جمہوری اداروں کے قیام سے قبل بغیر کسی ہچکچاہٹ، بزدلی اور خوف لومۃ لائم کے
جرأت سے کام لے کر ایک آرڈیننس کے ذریعہ مکمل نظامِ شریعت کے نفاذ کا حکم جاری کر دیتی تو ملک ان
خطرات سے نکل جاتا جن میں وہ آج گھرتا چلا جا رہا ہے۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ اور بدقسمتی سے ایک زریں

موقعہ کھو دیا گیا۔ آٹھ سال تک اسلامی نظام کے نعروں اور ہنگاموں سے اپنے اقتدار کا بازار گرم رکھ کر اب اسے عملاً جمہوری اداروں کے پیچیدہ، طویل، دشوار گذار اور مشکل راستوں کے ایسے چوراہے پر کھڑا کر دیا گیا۔ جہاں سے محفوظ اور سالم بچ نکلنا ایک معجزہ سے کم نہیں۔

بہرحال ان چھ سات ماہ کے قلیل ترین عرصہ میں اللہ کریم نے اپنے خاص الطاف وعنایات سے نظامِ اسلام کے آئینی تحفظ ونفاذ کے مشکل ترین مراحل میں خاصی کامیابیوں سے نوازا —— صرف یہ نہیں بلکہ ایوان میں ہر مرحلہ پر اسلامی اقدار اور مسلمانوں کی تہذیب وتمدن اور عزت وعصمت کے تحفظ کے مراحل پیش آتے ہیں

حال ہی میں کراچی کے معزز رکن نے سینٹ میں ہر صوبہ سے تین تین عورتوں کے علاوہ اقلیتوں سے بھی عورتوں کو نمائندگی دینے کا بل پیش کیا یہ اُن حالات کا نتیجہ ہے جو فتنۂ تحریکِ آزادیٔ نسواں اور مساواتِ مرد وزن کے مغربی افکار کی شکل میں چھائے ہوئے ہیں۔ اسلام نے عورتوں کے حقوق کے تعین کا مسئلہ مبہم نہیں چھوڑا، بلکہ اسلام ہی وہ دینِ فطرت اور قانونِ رحمت ہے جس نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھاکر اوجِ ثریا تک پہنچایا۔

سینٹ میں پیش کردہ یہ بل بھی عورتوں کو حقوق کے نام سے فرائض کے غیر فطری بوجھ میں اور دلدلوں میں پھنس جانے کی ایک صورت تھی۔ بحمد اللہ جس کے خلاف ہماری آواز مؤثر رہی اور بحمد اللہ ۱۰ اکے مقابلہ میں ۱۶ ووٹوں سے اسے مسترد کر دیا گیا۔

اب آخری مرحلہ میں چند ہی دنوں بعد شریعت بل سینٹ میں پیش ہونیوالا ہے۔ اس موقع پر ہم پوری قوم، علماء اور دینی حلقوں کو اپنی ساری محنت توجہات، صلاحیتیں، حکومت اور ارکانِ پارلیمنٹ کے شریعت بل کے منوانے پر مرتکز ہو جانی چاہئیں کہ وہ اس اہم فرض کی ادائیگی میں ہر قسم کے مفادات لالچ اور خوف سے بالاتر ہو کر اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ اس موقعہ پر تمام مسلمان اللہ کے حضور پارلیمنٹ میں علماء کی کامیابی کی دعا کریں۔ کیا عجب کہ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله کی صورت میں خدا کے فیصلے غالب ہو جائیں اور حق کو بالادستی حاصل ہو۔ ؏

حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ

جہادِ افغانستان اور حقانی شہداء

مولانا احمد گل شہید، مولانا فتح اللہ شہید اور مولانا طالب محمد شہید

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہ ومنھم من ینتظر (الاحزاب)

(ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس بات کا قول کیا تھا اللہ سے ۔ پھر کوئی ہے ان میں کہ پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھتا (یعنی انتظار میں ہے)

مولانا احمد گل شہید

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی ۔ غیر ملکی پریس اور ذرائع ابلاغ نے اس پر سیر حاصل تبصرے کئے ۔ کہ جہاد افغانستان میں بر سر پیکار مجاہدین کے صف اول کے رہنما مولانا احمد گل صاحب حقانی نے پکتیا کے محاذ پر روسی استعمار کے گماشتوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا ۔ اور یوں مجاہدین افغانستان ایک سر بکف مجاہد، ایک سرفروش رہنما، ایک عظیم الشان عالم دین اور کفن بردوش منتظم سے محروم ہو گئے ۔ یہ جگر پاش اور دلخراش سانحہ اس وقت پیش آیا جب وہ دشمن کے مورچوں کو سبوتاژ کرنے میں مصروف تھا ۔ اور برابر پیش قدمی کرتا رہا ۔ تا آنکہ دشمن نے ان کے گرد گھیرا ڈالا ۔ اور ان کے درمیان محصور ہوئے ۔ دشمن برابر اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے رہے ۔ بالآخر مجاہد موصوف توپوں کی شدید گولہ باری کی زد میں آگئے ۔ اور نہایت ہی بے جگری کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں سربلندیٔ دین اور آزادیٔ ملت کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کیا ۔ اور یوں ان کی بے چین و بے قرار سیماب صفت جان کو تسکین نصیب ہوئی ۔

بقول جگر مراد آبادی مرحوم ؎

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

ہفت روزہ تکبیر کراچی کے مدیر شہیر نے چند ہفتے قبل محاذ جنگ میں اس عظیم مجاہد کے ساتھ ملاقات کی تھی اور ان پر تبصرہ اور محاذ کے متعلق نہایت ہی قیمتی معلومات فراہم کی تھیں جس میں آپ کا انٹرویو بھی شامل تھا۔ پھر اس کے بعد آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ تو ہ تکبیر کے جہاد افغانستان نمبر میں ان پر نہایت ہی دل آویز انداز میں تبصرہ کیا۔ اب تکبیر کا شمارہ نمبر ۳۰ جلد نمبر ۷ میرے ہاتھ میں ہے۔ اس میں مدیر محترم نے "مجاہدین افغانستان کے دلیس میں" کے زیر عنوان جو سلسلہ سفر افغانستان شروع کیا ہے۔ اس میں آپ نے اس عظیم مرد مجاہد کے بارے میں جو بصیرت افروز خیالات پیش کئے ہیں اور ان کے جذبہ جان سپاری پر داد و تحسین اور عقیدت و محبت کے جو پھول نچھاور کئے ہیں وہ آپ نے الحق کے پچھلے شمارہ میں ملاحظہ فرما لیا ہو گا۔

مولانا احمد گل حقانی نے مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں سورخہ یکم محرم الحرام ۱۳۰۷ھ کو فارم داخلہ پر کیا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے آپ وطن میں مختلف مدارس اور مساجد میں حاصل کی اس کے بعد اعلیٰ تعلیم اور منتہی کتابیں پڑھنے کے لئے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی شبانہ روز محنتوں اور ان کے اخلاص وللہیت کا اثر ہے۔ کہ یہاں بھی جوہر قابل تھا۔ مادر علمی کی مقناطیسی جاذبیت نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ کچھ عرصہ آپ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی مسجد میں رہائش پذیر تھے۔ اور وہاں پر حضرت الشیخ کی آغوش شفقت میں چند مہینے گذارے۔ آپ ان کے خدام خاص میں شامل تھے اور کئی دفعہ حضرت الشیخ کی امامت کی سعادت بھی حاصل کی۔ حضرت الشیخ نے ان کو اپنی دعوات مستجابہ سے خوب خوب نوازا۔ پھر اس کے بعد جب دارالعلوم کے دارالاقامہ (ہاسٹل) میں منتقل ہوئے تو یہاں بھی فارغ اوقات میں اپنے اساتذہ کے ہاں باقاعدہ حاضری دیتے اور ان کی خدمت گذاری و اطاعت شعاری اپنا وطیرہ بنایا۔ ذہانت و قابلیت کا یہ عالم تھا کہ تمام کتابوں کو اپنے ہم درس ساتھیوں کے ساتھ تکرار کرتے۔ اس کے ساتھ تہجد گزار، قائم اللیل و صائم النہار بھی تھے۔ دورۂ حدیث میں آپ نے چھ سو نمبرات پورے حاصل کئے۔ اور پانچ نمبرات انعامی اور حوصلہ افزائی کے تو کل چھ سو پانچ نمبرات آپ نے حاصل کئے۔

مولانا جلال الدین صاحب حقانی جو کہ جہاد افغانستان میں مجاہدین کے کمانڈر ان چیف ہیں۔ ان دونوں کا زمانۂ طالب علمی سے گہرا تعلق تھا۔ اور ہم پیالہ و ہم نوالہ کے مصداق اتم تھے۔ دونوں نے ایک ہی سال داخلہ لیا اور ایک ہی کتابیں پڑھتے تھے۔ اور ایک ہی سال فارغ ہوئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ دورۂ حدیث میں مولانا جلال الدین حقانی کے ۶۰۶ نمبرات ہیں جب کہ آپ کے ۶۰۵۔

پھر جب جہاد افغانستان کا آغاز ہوا اور مجاہدین نے باقاعدہ مسلح جہاد کا عزم کیا تو بھی دونوں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ جہاد میں مصروف ہوئے دوستی اور معیت کا یہ مظاہرہ کمتر دیکھنے میں آیا ہے۔ لیکن آپ کی شہادت

نے دوستی کے اس عظیم اور مضبوط بندھن کو توڑا۔ اور بقولِ شاعر

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ — من الدھر حتیٰ قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی ومالکا — لطول اجتماع لم نبت لیلۃً معا
فتیً کان احییٰ من فتاۃٍ حییۃٍ — واشجع من لیثٍ اذا ما تمنعا

ترجمہ:۔ "مدتوں ہم لوگ جذیمہ کے ندیموں کی طرح رہے۔ یہاں تک کہ یہ کہا گیا کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے۔ اور جب ہم بچھڑ گئے تو طول مصاحبت کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اور مالک نے ایک رات بھی بسر نہیں کی۔ میرا بھائی دوشیزہ سے زیادہ باحیا اور شیر سے زیادہ بہادر اور خوددار تھا"

موصوف نہایت ہی خوش لباس وخوش اطوار اور سادگی کی مجسم تصویر تھے۔ عالمِ شباب ہی میں آپ کا چہرہ سے نورانیت ٹپکتی تھی۔ اور بمصداق حدیث اذا رُاوا ذکر اللہ کے مظہر اتم ؎

نگاہوں سے برستی ہے اداؤں سے ٹپکتی ہے
محبت کون کہتا ہے کہ پہچانی نہیں جاتی

راقم الحروف نے جب یہاں مادرِ علمی میں داخلہ لیا تو ان کے ساتھ ملاقات ہوتی رہی کیونکہ وہ ہمارے کمرہ کو حضرت والد مرحوم علامہ عبدالحلیم صاحب صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ کے پاس بعد از نمازِ عشا تشریف لاتے اور مولانا جلال الدین بھی آپ کے ہمراہ ہوتے۔ اپنے شفیق استاد کو دباتے۔ ان کے سر کو مالش کرتے اور دیر تک حضرت صدر صاحب سے استفادہ فرماتے رہتے۔ یہ بابرکت محفل انجمن قدسیاں کا حسین منظر اور دلکش سماں پیش کرتی۔ اگر کبھی ناغہ ہوجاتا تو حضرت صدر صاحب قدس سرہ ان سے ناغے کے بارے میں دریافت فرماتے۔ کہ آپ کیوں رات تشریف نہیں لائے۔ کوئی مہمان وغیرہ آیا تھا یا اور کوئی سبب۔ مولانا احمد گل حقانی اور مولانا جلال الدین حقانی ایک دوسرے کو دیکھتے۔ پھر مولانا احمد گل صاحب فرماتے کہ ایسی کوئی وجہ نہیں بلکہ کبھی کبھی ہم قصداً ناغہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ہماری وجہ سے آپ کے آرام اور اوراد معمولات میں فرق اور خلل پڑتا ہے۔ حضرت صدر صاحب بتبسمانہ لہجے میں فرماتے۔ کہ آپ نے مجھے عادی بنایا ہے تو اس وجہ سے آپ لوگوں کا انتظار کرتا ہوں۔ آہ!

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

اور بقول علامہ اقبال ؎

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے — کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے
اب، نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے

مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ ہوا یوں کہ دارالعلوم حقانیہ کی وسیع جامع مسجد میں نمازِ مغرب اکثر مولانا احمد گل صاحب پڑھاتے۔ اس میں عام طور سے آپ سورہ یٰسین کی چند آیتیں تلاوت کرتے۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ آپ کو غالباً قرآن پاک میں ان آیتوں کے علاوہ اور کوئی حصہ یاد نہیں۔ کہ بس آپ وَمَا لِیَ لَا اَعبدُ الذی فطرنی الآیۃ پڑھتے ہیں۔ اس پر آپ کا چہرہ چمک اٹھا۔ اور دل آویز تبسم فرمایا۔ اور کہا کہ آپ لوگ ہر چیز کو مدنظر رکھتے ہیں۔

بندہ نے جب آپ کی شہادت کی خبر سنی تو دماغ کے سکرین پر آپ کا سراپا گردش کرنے لگا۔ وہ نمازِ مغرب یہ لطیفہ وہ تبسم۔ اس کے ساتھ ہی یہ آیت جو کہ آپ نمازِ مغرب میں پڑھا کرتے

یٰالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین۔ ؎

بہر تسکیں دل میں رکھ لی ہے غنیمت جان کر
جو بوقتِ ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں تھی

سردار داؤد کے دورِ حکومت میں آپ نے افغانستان سے ہجرت کی تھی۔ اس وقت سے لے کر تا دمِ مرگ انہوں نے ہزاروں کمیونسٹوں، دہریوں، روسی اور کارمل فوجیوں کو واصل جہنم کیا۔ آپ کے سرفروشانہ کارناموں کا سلسلہ کافی طویل ہے۔ وفات سے چند دن قبل موضع باڑی میں دشمن کے ایک بہت بڑے حملے کو پسپا کیا جس میں دشمن کو کافی نقصان پہنچایا۔ اور ان کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اس لڑائی میں مجاہدین نے اسلحے کے کافی ذخیرے پر قبضہ کر لیا۔ اور مالِ غنیمت میں کافی اشیاء ہاتھ آئیں۔ بالآخر ۱۶ر اگست بروز جمعۃ المبارک آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ افغانستان کے صوبہ پکتیا میں بمقام لالنیرہ آپ کو خداوندِ قدوس نے خلعتِ شہادت سے نوازا۔ اور دوسرے دن بروز ہفتہ ہزاروں اشک بار آنکھوں اور دھڑکتے دلوں نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور میراں شاہ کے قبرستانِ شہداء متصل تبلیغی مرکز میں آپ سپردِ خاک کر دیئے گئے۔

اور یوں شہداء بدر و حنین اور خونین کفنان یرموک و تبوک میں ایک اور خونین کفن کا اضافہ ہوا ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

سلام ہو اس مردِ مومن کی روح پر، جو حق کی خاطر جیا اور حق کی خاطر مرا۔ اولاً اپنی زندگی کی بہاریں تحصیل علم پر نثار کیں اور جب تحصیل علم سے فراغت حاصل کی تو اس کی خودداری اور حمیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ دہریوں اور کمیونسٹوں کے ناپاک قدم افغانستان کی سرزمین میں داخل ہوں۔ انہوں نے اس کے خلاف باقاعدہ مسلح جہاد کا آغاز کیا۔ اور ایک ایسی وادئ پرخار میں قدم رکھا کہ قدم قدم پر کلفتیں اور صعوبتیں اس کا استقبال کرتی رہیں۔ کبھی

پینے کے لئے پانی نہ ملا۔ کبھی کھانے کے لئے درختوں کے پتوں پر گزارا کیا۔ کئی کئی دن فاقہ کشی میں گذارے۔ بستر پر خواب ان کے لئے محض ایک خواب اور قصۂ پارینہ سے کم نہ تھا۔ تاآں کہ اپنی منزل شہادت کو پالیا ؎

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

مولانا حبیب الرحمٰن حقانی شہید عرف مولانا فتح اللہ حقانی

ابھی مولانا احمد گل حقانی کا خون تازہ ہی تھا کہ کاروانِ کشتگانِ عشق اور رجال سپاہیان راہ خدا میں ایک اور فرد کا اضافہ ہوا۔ ابھی ان کی جدائی کا زخم ہرا ہی تھا کہ اسی نوع کا دوسرا انتہائی المناک و کرب انگیز سانحہ قضاو قدر اور کلک تقدیر کے فیصلے کے مطابق ظہور پذیر ہوا۔ یہ سانحہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن حقانی عرف مولانا فتح اللہ حقانی کی شہادت کا ہے ؎

جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گذر گئے
رہِ یار تجھے قدم قدم ہم نے یادگار بنا دیا

آپ نے دارالعلوم حقانیہ میں ۱۶ر شوال ۱۳۸۹ھ کو فارم داخلہ پُر کیا
نام ۔ مولوی حبیب الرحمٰن ۔ ولدیت عبدالرحیم
مقام ۔ فخری ۔ ڈاک خانہ وزی ۔ تھانہ وزی ۔ تحصیل گردیز ۔ ضلع پکتیا ۔ صوبہ خوست ۔ ملک افغانستان
یہاں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

بیضاوی شریف ۔ حسامی ۔ تصریح ۔ شرح چغمینی ۔ اقلیدس ۔ شرح عقائد ۔ خیالی ۔ ہدایہ آخرین ۔ تلویح توضیح ۔ مسلم الثبوت مختصر المعانی ۔ شرح نخبۃ الفکر ۔ اور دورۂ حدیث شریف مکمل ۔ ۱۳۹۲ھ میں آپ تحصیل علوم سے فارغ ہوتے عازم محاذ جنگ ہوئے ۔ مولانا احمد گل حقانی اور مولانا فتح اللہ حقانی دونوں حضرت مولانا جلال الدین حقانی کے دست و بازو تھے ۔ ان سے آپ مشورہ لیتے ۔ اور ان کی رائے کو اولیت حاصل تھی ۔ تنظیمی اور دفتری امور میں بھی مولوی فتح اللہ کو کافی دخل تھا ۔ مسلح جہاد کے دوران آپ نے دہریوں اور کمیونسٹوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا ۔ قلعہ باڑی میں جو پاکستانی حد کے قریب ہے ۔ وہاں پر آپ نے مولانا جلال الدین صاحب حقانی کی زیر قیادت دشمن پر بھرپور حملہ کیا ۔ جس میں دشمن کے کافی افراد موت کے گھاٹ اتار دئے ۔ علاوہ ازیں اسلحہ کا بہت سا ذخیرہ ان کے ہاتھ لگا جس میں دو ٹینک صحیح و سالم تھے ۔ اسی طرح ڈبگی قلعہ جس میں بہت سے روسی اور کارملی مورچہ بند تھے ۔ شہید

موصوف مولانا جلال الدین اور مولانا ارسلا خان کی معیت میں اس قلعے پر حملہ آور ہوئے۔ مالِ غنیمت جس میں دو بکتر بند گاڑیاں بھی تھیں کے علاوہ دشمن کے کافی سپاہی لقمۂ اجل بن گئے۔ جاج میدان میں ایک نہایت ہی سخت اور محفوظ مورچہ پر آپ نے حملہ کیا جس میں آپ بری طرح محصور ہوگئے۔ لیکن تائید ایزدی اور نصرت خداوندی نے آپ کو صحیح وسالم رکھا۔ قلعہ میں جتنے بھی فوجی تھے وہ ہلاک کردیئے گئے۔ اور ان کے اسلحہ خانہ پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی میں ان کا ایک نڈر اور سرفروش ساتھی پیر حضرت زرمان نے جامِ شہادت نوش کیا۔

گذشتہ ماہ رمضان میں اسی طرح ایک معرکہ کے دوران آپ کی آنکھ شدید زخمی ہوگئی۔ آنکھ تو بچ گئی لیکن اس کی نظر بحال نہ ہوسکی۔ اس کے بعد آپ حج بیت اللہ شریف تشریف لے گئے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد جب آپ دوبارہ محاذِ جنگ پر تشریف لے گئے۔ تو آپ کے ساتھی مولانا احمد گل حقانی کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔ آپ نے اپنے عزم وہمت کے کوہ گراں ساتھی کے جنازہ میں شرکت کی۔ اس کے دل کی کیفیت کیسی تھی۔ اس وقت کیا بیت گئی ہوگی۔ جب اپنے سفر وحضر محاذِ جنگ اور گوریلا زندگی کی صعوبتوں کا ساتھی اس نے اپنے ہاتھوں سے آغوشِ قبر میں اتارا۔ ؎

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

مولانا احمد گل صاحب شہید کی تجہیز وتکفین کے بعد آپ دوبارہ محاذِ جنگ تشریف لے گئے۔ اب کے بار آپ دشمن کے لئے شعلۂ جوّالہ بن گئے۔ اپنے شہید ساتھی کے خون آلود چہرہ نے آپ کے لہو میں حدت و حرارت پیدا کی۔ اور سر سے کفن باندھ کر ایک نئے جذبے، نئے شوق اور نئے ولولے کے ساتھ مجاہدین کا ایک جیش پر طیش لے کر حملہ آور ہوئے ؎

زندگی آ تجھے قاتل کے حوالے کردوں
مجھ سے یہ خونِ تمنا نہیں دیکھا جاتا

بروز جمعہ مورخہ ۲۱ ستمبر کو آپ لالیزہ کے محاذ پر اپنے ساتھیوں کو ہدایات دے رہے تھے۔ اس کے ساتھ اس کے ساتھی مولانا طالب محمد حقانی بھی تھے۔ کہ دشمن کی طرف سے تقریبی مارٹر کی گولہ باری شروع ہوئی۔ ایک گولہ آپ اور آپ کے ساتھی مولانا طالب محمد حقانی پر لگا۔ جس سے دونوں موقعہ پر ہی شہید ہوگئے۔ جب ان دونوں کی شہادت کی خبر میراں شاہ پہنچی تو تمام علاقے میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ ہر چہرہ پژمردہ اور ہر سو غم واندوہ کا گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔

الٰہی ایسی تو سنسان نہ تھی ہجر کی رات
دور تک قافلۂ صبح کے آثار نہیں

مجاہدین نے ان دونوں کی لاشوں کو بکسوں میں بند کئے۔ اور وہاں سے تدفین کے لئے میراں شاہ لائے۔ جوں ہی یہ بکس نمودار ہوتے۔ آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا اور زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور ان کے سرفروشانہ کارناموں کا تذکرہ تھا۔ ہر آنکھ ایک جھلک دیکھنے کے لئے بیتاب تھی۔ لیکن چونکہ ان کو چوٹیں سروں پر آئی تھیں۔ اس لئے لوگ ان کے دیدار سے محروم رہے۔ نماز جنازہ میں ہزاروں کی تعداد میں عوام و خواص اور علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ مولوی فتح اللہ شہید کے بھائی مولانا عبدالرحمن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد یہ دونوں میراں شاہ کے قبرستان شہداء میں سپرد کر دیے گئے۔ جہاں مولانا احمد گل حقانی کی روح استقبال کے لئے موجود تھی۔ ہفت روزہ تکبیر کے مدیر محترم مولانا فتح اللہ حقانی کے بارے میں اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں۔

"صوبہ پکتیا میں حالیہ روسی حملہ کے نتیجے میں مولوی احمد گل کے بعد ایک اور عظیم کمانڈر مولوی فتح اللہ شہید ہو گئے۔ مولوی فتح اللہ بھی پیڑاں ہی میں شہید ہوئے ہیں۔ جہاں مولوی احمد گل نے جان کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ واضح رہے کہ صوبہ پکتیا جو افغانستان میں جہاد کی شدت کے اعتبار سے نمایاں حیثیت کا مالک ہے۔ اپنے دامن میں ہزاروں شہداء کے لہو کی خوشبو بسائے ہوئے آج بھی روسیوں کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہو رہا ہے۔

یہ صوبہ اس اعتبار سے ممتاز حیثیت کا مالک ہے کہ افغانستان میں جہاد کا آغاز ہی اس سے ہوا تھا۔ یہ سردار داؤد کا دور تھا۔ جب شعائر اسلام کا کھلے عام استہزاء کیا جانے لگا۔ اور کمیونزم کو بحیثیت ایک نظام کے قبول کرنے کی سرعام باتیں ہونے لگیں۔ صوبہ پکتیا ہی سے ردعمل کے طور پر جہاد میں شرکت کا آغاز ہوا۔ مولانا جلال الدین حقانی ان تمام معاملات کی رہبری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کے ساتھیوں میں تین افراد بہت نمایاں تھے۔ پہلے مولوی احمد گل شہید۔ دوسرے مولوی فتح اللہ شہید اور تیسرے مولوی نظام الدین عرف مولوی طور جو بحمد اللہ اسران مرکز کے عمومی کمانڈر ہیں۔ جو درہ ستہ کنڈو پر واقع ہے۔

مولوی فتح اللہ شہید کی عمر تقریباً ۴۵ سال تھی۔ ابتدائی تعلیم افغانستان کے مختلف مدارس میں حاصل کی۔ اور اس سلسلہ میں قندہار اور غزنی کے دینی مدرسوں سے استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے اکوڑہ میں واقع دارالعلوم حقانیہ تشریف لے آئے۔ اور بقیہ تعلیم کی تکمیل یہیں کی۔ سردار داؤد کے دور میں جب مولانا جلال الدین حقانی نے عملی جہاد کا آغاز کیا تو مولوی فتح اللہ ان کے شانہ بشانہ شریک تھے اور تمام معاملات میں ان کے معاون خصوصی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

حقانی صاحب کی غیر موجودگی میں مولوی فتح اللہ شہید یا مولوی احمد گل ہی کو تمام معاملات کی نگرانی اور مسائل

کے بارے میں فیصلے کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ مولوی فتح اللہ شہید نے زہڑک۔ کنڈو۔ سٹ کنڈو۔ زرمت۔ گردیز۔ خوست۔ گوگن۔ لیژاں۔ باڑی اور دیگر بے شمار مقامات پر روسیوں کے خلاف جہاد میں بنفس نفیس حصہ لیا اور کئی معرکوں کی براہ راست کمان بھی کی۔

ژوار مرکز کی تعمیر کے لئے جو ٹیم بنائی گئی تھی۔ مولوی فتح اللہ اس کے اہم ترین رکن تھے انہوں نے ہی گردیز کے پورے علاقے کا سروے کیا۔ اور موجودہ جگہ کا بحیثیت اس مرکز کے انتخاب کیا۔ جو آج افغانستان کا سب سے بڑا اور بفضل تعالیٰ سب سے مضبوط مرکز ہے۔

مولوی فتح اللہ حقانی مجاہدین کے درمیان انتہائی واجب الاحترام حیثیت کے مالک تھے۔ انتہائی کم گو دیکھنے میں مرنجان مرنج حلقۂ یاراں میں بریشم کی طرح نرم اور رزم حق و باطل میں فولاد کی طرح سخت وہ ایسے مجاہد اور عالم دین تھے۔ کہ جن کے روز و شب آہ سحر گاہی اور نالۂ نیم شبی میں گزرے تھے۔ دبلے پتلے اور درمیانی قد کے اس عظیم مجاہد کا جسم اپنے اندر بڑی توانا روح رکھتا تھا۔ موٹے موٹے شیشوں سے جھانکتی ہوئی ان کی بڑی اور روشن آنکھیں اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اپنے مخاطب کا دل موہ لیتی تھیں۔ ہر فرد سے ملتے وقت اپنی بائیں کشادہ کرکے اسے سینے سے لگاتے۔ اور دیر تک اس کا حال احوال پوچھتے۔

۱۳ ستمبر جمعہ کا روز تھا۔ جو دو روز قبل فریضۂ حج کی ادائیگی سے واپس لوٹے تھے۔ لیژاں کے مرکز پر واقع ایک بلند مورچے میں اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ جن میں سعید خیل کے علاقے کے کمانڈر شاہ معین اور میراں شاہ میں مجاہدین کے دفتر انچارج مولوی صالح محمد (طالب محمد فانی) شامل تھے۔ جنگی حکمت عملی کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ بمباری پوری شدت سے جاری تھی۔ اور قریب ہی واقع دشمن کی چھاؤنی اور اس کے حملہ آور کنوائے سے ٹینکوں، توپوں اور مارٹر کی گولہ باری سے پہاڑوں کی چٹانیں ریزہ ریزہ ہو رہی تھیں۔ مولانا فتح اللہ بمباری کی شدت سے بے نیاز اپنے سامنے پورے علاقے کا نقشہ پھیلاتے مجاہدین اور دشمنوں کی پوزیشنوں کا جائزہ لے رہے تھے کہ ناگہاں MM107 مارٹر توپ کا ایک گولہ عین مورچے میں آ گرا۔ اور مولوی فتح اللہ اپنے دو عظیم ساتھیوں کے ساتھ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا طالب محمد حقانی شہید

اب کاوشِ محروم تجھے ڈھونڈ رہی ہے
اک تو ہی تو سرمایۂ خونیِ جگراں تھا

آپ نے دس سال کا طویل عرصہ دارالعلوم حقانیہ میں گذارا۔ مورخہ ۲۹ شوال ۱۴۰۳ھ کو فارم داخلہ پر کیا۔ نام

اور مکمل پتہ۔ طالب محمد ولد عبید ملوک۔ مقام مندوزی۔ ڈاک خانہ دہقانہ اسمٰعیل خیل۔ ضلع گردیز۔

سنہ وار کتب مقررہ کی تفصیل یہ ہے۔

۱۳۸۴ھ۔ کافیہ۔ مرقاۃ۔ مجموعہ منطق۔ ایساغوجی ۱۳۸۵ھ شرح جامی۔ کنز اولین۔ شرح تہذیب۔ اصول الشاشی

۱۳۸۶ھ مختصر المعانی۔ نور الانوار۔ قطبی۔ مقامات حریری ۱۳۸۷ھ۔ مطول۔ سلم العلوم۔ متنبی۔ میبذی۔ رشیدیہ

۱۳۸۸ھ۔ شرح عقائد۔ صدرا۔ شمس بازغہ۔ ملا حسن۔ میر زاہد۔ رسالہ قطبیہ۔ تجوید۔

۱۳۸۹ھ۔ حسامی۔ شرح جامی۔ بحث۔ تصریح شرح چغمنی۔ اقلیدس۔

۱۳۹۰ھ۔ ہدایہ صلوٰۃ۔ کنز آخرین۔ قاضی مبارک۔ ۱۳۹۱ھ۔ امور عامہ۔ بیضاوی شریف۔ تلویح توضیح۔ جلالین ج۲

۱۳۹۲ھ۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلالین۔ ہدایہ آخرین۔ شرح نخبۃ الفکر

۱۳۹۳ھ۔ دورہ حدیث شریف۔

ابتدائی سالوں میں آپ یہاں ایک مسجد میں رہائش پذیر تھے۔ اس کے بعد مدرسہ کے ہاسٹل میں منتقل ہو گئے نہایت ہی عابد و زاہد نیک سیرت اور محنتی تھے۔ مولانا فتح اللہ شہید اور یہ دونوں ایک ہی دارالاقامہ میں رہتے تھے۔ پھر جب افغانستان میں روسی انقلاب آیا تو آپ دونوں نے وہاں سے ہجرت کی۔ اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ عملی جہاد کے ساتھ ساتھ تنظیمی امور میں بھی حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ آپ میران شاہ میں دفتر مجاہدین کے انچارج اور منتظم اعلیٰ تھے۔

مولانا طالب محمد اور مولانا فتح اللہ حقانی کی شہادت کا واقعہ ایک ساتھ پیش آیا جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ ان دونوں کی نماز جنازہ مولانا فتح اللہ حقانی کے بھائی مولانا عبدالرحمٰن نے یکے بعد دیگرے پڑھائی اور میران شاہ میں قبرستان شہداء میں ابدی نیند سو گئے۔

رحمتِ حق تیرے مرقد پر گہرباری کرے
حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے

پاکستان آرمی میں

جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں

کی ضرورت

پاکستان آرمی میں جونیئر کمیشنڈ خطیبوں کی خالی اسامیوں کو پُر کرنے کیلئے مطلوبہ قابلیت کے حامل حضرات سے درخواستیں مطلوب ہیں۔

مطلوبہ قابلیت ۔ الف ۔ حکومت پاکستان کے منظور شدہ کسی دینی مدرسہ سے درس نظامی میں فراغت کی سند

ب ۔ پاکستان کے کسی بورڈ سے میٹرک یا سیکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ

ج ۔ روزمرہ امور کے متعلق عربی بول چال میں مہارت اضافی قابلیت تصور کی جائے گی۔

عمر ۔ یکم جنوری ۱۹۸۶ء کو ۲۰ سال سے کم اور ۳۵ سال سے زائد نہ ہو۔

عہدہ یا تنخواہ ۔ ملازمت کیلئے منتخب امیدواروں کو نائب خطیب (نائب صوبیدار) کا عہدہ دیا جائے گا فوجی وردی کی بجائے منظور شدہ شہری لباس ہوگا جو فوج کی طرف سے مفت مہیا کیا جائیگا فوج کے جونیئر کمیشنڈ افسروں کی طرح ان کیلئے اوپر والے رینک میں ترقی کی گنجائش ہوگی

الاؤنس و دیگر مراعات ۔ وہ تمام الاؤنس و مراعات جو فوج کے دیگر منتقابل جے سی او صاحبان کو حاصل ہیں انہیں بھی حاصل ہونگی مثلاً ذات کیلئے مفت راشن مفت رہائش (جہاں مہیا ہو ورنہ کوارٹر الاؤنس) اپنے اور بیوی بچوں کیلئے مفت طبی سہولت، سفر کی مراعات، پنشن، گریجویٹی اور بیمہ کی مراعات وغیرہ وغیرہ۔

ملازمت کی جگہ ۔ پاکستان میں یا پاکستان سے باہر کسی جگہ۔

تربیت ۔ منتخب امیدواروں کو فوجی زندگی سے روشناس کرانے کی خاص تربیت بھی دی جائے گی۔

طریق انتخاب ۔ الف ۔ مختلف مقامات پر ابتدائی تحریری امتحان (ب) طبی معائنہ (ج) انٹرویو اور حتمی انتخاب جی ایچ کیو ایجوکیشن ڈائرکٹریٹ میں ہوگا۔ درخواستیں مجوزہ فارم پر اصل اسناد کی تصدیق شدہ نقول کے ہمراہ شعبہ دینی تعلیمات آرمی ایجوکیشن ڈائرکٹریٹ آئی جی ٹی اینڈ ای برانچ جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی کو ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔

درخواستوں کے فارم مذکورہ شعبہ دینی تعلیمات سے مبلغ ایک روپیہ ۲۰ پیسے ڈاک ٹکٹ لگے ہوئے لفافے بھیج کر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ فارم طلب کرتے وقت اپنی قابلیت اور سند الفراغ کے بارے میں پوری معلومات لکھیں۔

PID(I) 1308/10

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

> حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے مجالس کافی عرصہ سے محفوظ کئے جا رہے ہیں۔ ابتداء میں تاریخ لکھنے کا اہتمام نہ تھا کیف ما اتفق ملفوظات لکھے جاتے رہے اور اب بھی فائل سے جوں جوں ملفوظ سامنے آتے ہیں صاف کر کے کاتب کے حوالے کر دئے جاتے ہیں۔ لہذا جن ملفوظات کے شروع میں تاریخ درج نہ ہو ان کا سن محفوظ رہے کہ ۸۲ء و ۸۳ء ہے۔
>
> (ع ق ح)

اصل چیز قبولیت عند اللہ ہے | ملاقات کے لئے آئے ہوئے ایک شخص نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت! ہمارے نزدیک آپ خدا کے ہاں مقبول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں ہیں۔ ہم جب دعا کرتے ہیں تو آپ کے وسیلہ سے خدا کے حضور دعا کرتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خاطر ہمیں رحمت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ حضرت مدظلہ نے بڑی حسرت اور عاجزی و انکساری کے ساتھ فرمایا۔ آپ تو خدا کے حضور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ سے اپنے گمان کے مطابق معاملہ کرے گا اور آپ کے حق میں یہ بات محمود ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں۔ کیا ہوا اگر میں بظاہر مولوی اور دین کے خادم کے نام سے یاد کیا جاتا ہوں۔ نہ معلوم خدا کے ہاں کون مقبول اور کون غیر مقبول ہے۔ وہ تو صمد اور بے نیاز ہے۔ دین کی حفاظت اور خدمت کا کام تو اللہ تعالیٰ نے عنکبوت سے بھی لے لیا ہے۔ جس نے ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ غار ثور میں کفار مکہ سے چھپ گئے تھے۔ اپنا تانا بانا تان لیا تھا۔ کفار آئے تو وہ دھوکا کھا گئے کہ یہاں کوئی داخل نہیں ہوا۔ اس طرح ایک چھوٹے سے عنکبوت سے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ اور ان کے ساتھی کی حفاظت اور نصرت کا کام لے لیا اصل چیز۔ اللہ کے ہاں مقبولیت ہے۔ آپ میرے لئے دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاں قبولیت عطا فرما دے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فراست | امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں جب حاکم وقت نے عہدہ قضا قبول کرنے کی درخواست کی تو آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حاکم وقت کو اس بات پر سخت غصہ آیا اور امام صاحب سے کہا کہ حکومت کی ملازمت تو آپ نے کرنی ہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ قضا کا عہدہ قبول کر لو ورنہ دوسرے مشکل کام آپ کے سپرد کر دئے جائیں گے۔ لیکن امام صاحب نہ مانے اور بضد رہے۔ تو حکومت نے امام صاحب سے سخت

رویہ اختیار کیا۔ اور آپ کو ایک ڈیوٹی سپرد کی۔

یہ تعمیر بغداد کا زمانہ تھا۔ امام صاحب سے کہا گیا کہ جو اینٹیں بغداد کی تعمیر کے لئے سارا دن گدھے لاتے ہیں، شام کے وقت انہیں گن کر حکومت کو صحیح تعداد سے آگاہ کریں۔

مقصد یہ تھا کہ امام صاحب عصر سے لے کر ساری رات اینٹیں گننے میں گذاریں گے۔ ایک ایک اینٹ اٹھا کر جب شمار کریں گے تو تھک جائیں گے۔ ہاتھ زخمی اور چھلنی ہو جائیں گے۔ حکومت کا مقصد آپ کو کڑی آزمائش و ابتلاء میں ڈالنا اور سخت سزا دینا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ جب امام صاحب تنگ آئیں گے تو قضا کا عہدہ قبول فرمائیں گے۔

مگر امام صاحب بہت عاقل اور عالم تھے ریاضی بھی پڑھی تھی۔ اللہ نے زبردست فہم و فراست اور بے پناہ زیرکی و دانائی سے نوازا تھا۔ تو امام صاحب نے فہم و دانش سے اس مشکل ترین کام کو آسان کر دیا اور وہ کام جو تمام رات ختم نہیں ہو سکتا تھا چند لمحوں میں مکمل کر لیا۔ اور وہ یوں کہ آپ جب عصر کے وقت ڈھیر پر تشریف لاتے تو ایک رسی جس کا عرض مثلاً ۳ فٹ لمبائی ۲۰ فٹ ہوتی سے اینٹوں کے ڈھیر کو دونوں طرف سے ناپ لیتے (جیسے کہ آج کل مروج ہے) ۲۰×۳ کے حساب سے چند لمحوں میں ڈھیر کے ڈھیر شمار کر کے حکومت کو آگاہ کر دیتے اور حساب میں ذرہ برابر غلطی واقع نہ ہوتی۔ اس طرح حکومت اپنے حربہ میں ناکام رہی۔ اور امام ابوحنیفہ اپنی فہم و فراست سے حکومت کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رہے۔

یزید فاسق تھا مگر لینن اور سٹالن سے بہتر تھا

کسی نے حضرت سے یزید کے متعلق سوال کیا تو فرمایا جواب میں کہ ہم یزید کو نہ کافر کہتے ہیں اور نہ جہنمی۔ البتہ اکابر سے اس قدر منقول ہے کہ یزید فاسق و فاجر تھا ہم کہتے ہیں یزید اگرچہ امام حسینؓ کی نسبت فاسق تھا مگر لینن و سٹالن اور آج کے غنڈہ حکمرانوں سے ہزار درجہ بہتر تھا خود حضرت حسینؓ بھی یزید کے ساتھ جنگ کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے مقابل فوجوں سے کہہ دیا تھا کہ ہمیں یزید سے ملاقات کا موقع دیا جائے مگر اس کی صورت نہ بن سکی۔

مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں

شریعت کے احکام میں مردوں اور عورتوں کے مزاج اور طبائع کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ عورتوں میں مردوں کی نسبت، صفائی ستھرائی کا اہتمام طبعاً و خلقتاً کم ہوتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ عورتوں کی ذمہ داریاں ہی کچھ ایسی ہیں کہ وہ ہر وقت ملوث رہتی ہیں۔ گھر کی صفائی۔ غلہ کی صفائی۔ گھر میں نالیاں اور بیت الخلاء کو صاف کرنا۔ بچوں کی پرورش اور صفائی اور ان کی نجاست سے آلودہ رہنا اور ان کے حیض و نفاس وغیرہ ایسے امور ہیں جو صرف عورت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر عورت کا مزاج بھی مردوں کی طرح نفیس ہوتا تو معصوم بچوں کی پرورش کا مسئلہ بہت گراں ہوتا۔ اور حرج عظیم واقع ہوتا۔ مگر افسوس کہ آج مغربی تعلیم نے کالجوں میں

ہماری بچیوں میں جو نفاست اور ستھرائی کا نیا فیشن ڈالا ہے اس سے ان کی اصل فطرت مسخ ہو کے رہ گئی ہے۔ اس لئے اب نہ تو وہ گھر میں جھاڑو دے سکتی ہیں اور نہ گھروں میں بچوں کی پرورش و نگہداشت کر سکتی ہیں والدین کی خدمت تو نہیں کر سکتی بلکہ الٹا ان کے لئے زحمت بن گئی ہیں۔ اور جن عورتوں کو عارضی نفاست حاصل ہو گئی ہے درحقیقت وہ عورتوں سے گر کر خنثیٰ شکل بن گئی ہیں۔

نفسانی خواہشات اور فواحش کے لطیف تصور کے دروازہ پر شریعت کا پہرہ

غیر محرم عورت کے بدن کا ہر جز عورت کا ہے۔ اس کا دیکھنا اور استعمال کرنا شرعاً حرام ہے۔ لہٰذا اگر کسی اجنبیہ عورت نے ایک برتن سے پانی پی لیا۔ کھانا کھا لیا تو مرد کو اس برتن سے عورت کے پس خوردہ کا استعمال ممنوع ہے[1] وجہ یہ ہے کہ برتن سے پینے والی عورت کے لعاب کے اجزا برتن کو لگ جاتے ہیں۔ اگر مرد اس اجنبیہ عورت کا فضلہ (پس خوردہ) پانی پئے گا۔ گو عورت کا بچا ہوا پانی نجس نہیں کیونکہ مومن کا پس خوردہ طاہر ہے۔ لیکن عورت کے پس خوردہ کا استعمال کا مطلب یہ ہے کہ مرد نے اجنبیہ عورت کے جز بدن کو استعمال کر لیا۔ اور یہ ممنوع اور ناجائز ہے تو اندازہ لگانا چاہیئے کہ شریعت نے مرد کے ان باریک اور لطیف جذبات پر بھی کنٹرول کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن سے گندے خیالات کا دروازہ کھل سکتا ہے۔

اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا حدیث کی تشریح

ایک مہمان نے سوال کیا کہ حضرت! وتر کے بعد نوافل پڑھنا چاہیئے یا قبل الوتر؟ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔ حدیث پاک میں جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں۔ کہ اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لیل (رات) کی نماز کا آخری ٹوٹل وتر بنا لو۔ وتر شروع نفل میں پڑھے یا وسط نفل میں یا آخر نفل میں پڑھے۔ جب جملہ رکعتوں کو جمع کیا جائے تو ٹوٹل وتر نکلے۔ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ غلط مفہوم لیا ہے کہ وتر کے بعد نفل نہیں پڑھنا چاہیئے۔ اگر مقصد یہی ہوتا کہ وتر کے بعد نوافل نہیں ہیں تو پھر حدیث کے الفاظ یوں ہوتے اجعلوا الوتر آخر الصلوٰۃ اللیل۔ جیسے دن کی فرض رکعتوں کو جمع کیا جائے تو ٹوٹل وتر (۱۳) ہے۔ اسی طرح بہتر یہ ہے کہ رات کی نماز کے رکعات کا مجموعہ بھی وتر آئے۔

آپ ہی کو یہ حق حاصل ہے

پشاور کے مولانا عبدالقدوس ہاشمی کے برخوردار کے نکاح کی تقریب تھی حضرت شیخ الحدیث مدظلہ مدعو تھے۔ جب گاڑی لینے آئی تو مجھے بھی ساتھ چلنے کا ارشاد فرمایا۔ حضرت مدظلہ کے برخوردار مولانا انوار الحق بھی ہمراہ تھے۔ اس تقریب میں حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مولانا فقیر محمد بکا؟، قاضی عبدالسلام نوشہرہ

---

[1] ان سؤ المرأۃ للرجل وعکسہ مکروہ لاستلذاذ والمراد الاجنبی والاجنبیہ (درمختار)

مولانا محمد ایوب جان پشاور۔ مولانا پروفیسر محمد اشرف پشاور۔ قاضی حسین احمد اور مفتی سیاح الدین کاکاخیل کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء موجود تھے۔

مولانا عبدالقدوس نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو نکاح پڑھانے کی دعوت دی۔ تو آپ نے تمام حاضرین اور اکابر علماء کو صدور جہ عاجزانہ اور منکسرانہ لہجہ میں فرمایا۔

میرے بزرگو! مولانا عبدالقدوس نے میرے ضعف، کمزوری، کبرسنی اور بڑھاپے کو ملحوظ رکھ کر مجھے نکاح پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ وگرنہ آپ حضرات کی موجودگی میں فی الواقعہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ آپ سب بڑے بڑے علماء ہیں، مشائخ ہیں اور میرے اکابر ہیں۔ میں اس بے ادبی، بے جا جسارت اور واقعی خطاء کی آپ سب سے معافی چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ میری اس ناشائستہ حرکت کو محسوس نہیں کریں گے اور مجھے بخوشی نکاح پڑھانے کی اجازت مرحمت فرماویں گے۔ سب نے بیک آواز کہا مولانا فقیر محمد صاحب بکار (خلیفہ حضرت تھانوی) نے روتے ہوئے چیخ کر کہا کہ سب پر ان کی آواز غالب تھی۔

حضرت آپ ہم سب کے بزرگ ہیں، آپ ہم سب کے پیشوا اور شیخ ہیں حضرت آپ ہی کو یہ حق حاصل ہے۔ آپ ہی کو یہ حق حاصل ہے۔

تقریب ختم ہوئی تو عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ سب نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی اقتداء میں نماز پڑھی نماز کے بعد حضرت مدظلہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو حضرت مولانا فقیر محمد صاحب بکار پر گریہ طاری تھا، چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ اور اونچی آواز سے اللہ کی بارگاہ میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صحت یابی اور طول عمر کی دعائیں شروع کر دیں۔ بس حضرت مدظلہ کے لئے دعا کرنے کا حال ان پر غالب ہوا اور غلبہ حال میں دعا اور گریہ، ایک عجیب روح پرور منظر تھا کہ زندگی بھر کبھی ایسی حلاوت نصیب نہیں ہوئی۔

ایک کلمہ جس سے شکر و امتنان، عجز و نیاز میں بدل گیا

۸ ستمبر ۸۲ء حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی مجلس میں بعد العصر حسب معمول حاضر خدمت تھا کہ دارالعلوم کے بعض فضلاء جو اس وقت مختلف مدارس میں خدمت تدریس میں مصروف ہیں حاضر خدمت ہوئے۔ ان فضلاء میں بعض ایسے بھی تھے جو دورۂ حدیث کے اہم کتب بخاری مسلم اور ترمذی وغیرہ کی تدریس کر رہے ہیں۔ ان کی تدریسی خدمات اور تعلیمی حالات سے حضرت مدظلہ کو مسرت ہوئی جب وہ چلے گئے تو احقر سے ارشاد فرمایا۔

الحمد للہ الحمد للہ، اس وقت دیکھو! اللہ کا کس قدر احسان ہے کہ دارالعلوم کے فضلاء سے اللہ پاک خدمت دین اور تدریس کا کام لے رہا ہے۔ ملک کے اکثر مدارس میں دارالعلوم کے فضلاء کام کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث پر شکر و امتنان کی کیفیت طاری تھی۔ کہ اس کے ساتھ ساتھ اسی لمحہ اللہ کے حضور عجز و نیاز

کی تصویریں بن کے رہ گئے ہوا یوں کہ

دورانِ گفتگو، آپ کی زبان مبارک سے کہیں یہ جملہ بھی نکل پڑا کہ

" اللہ کا احسان ہے کہ آج ہمارے دوستوں[1] ..... کے ہاں بھی دارالعلوم کے فضلاء پڑھا رہے ہیں "

بس یہی الفاظ تھے کہ زبان مبارک سے نکلے، پھر کیا ہوا؟ حالت بدل گئی۔ اپنے الفاظ کھٹک گئے بلکہ دل میں چبھ گئے۔ استغفار پڑھنا شروع کیا۔ بار بار فرماتے، اللہ معاف فرمائے، میں تکبراً نہیں کہہ رہا۔ اے اللہ تو ہماری بات پر گرفت نہ فرما۔

بہرحال وہی الفاظ، کھٹکتے رہے اور حضرت اللہ کے حضور گڑگڑا کر معافی کے خواستگار رہے۔ چہرۂ اقدس پہ عجز، و نیاز اور سوز و گداز کی جو کیفیت تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا واقعۃً حضرت از سر تا قدم اللہ کے حضور پاؤں پڑ کر منا رہے ہیں۔

---

[1] مراد دارالعلوم کے مخالفین ہیں۔ احقر نے حضرت کے ہاں مخالفین کا تذکرہ تو کبھی سنا ہی نہیں۔ اور اگر کبھی ایسا موقع بن بھی گیا، تو غیبت یا مخالفت یا عیب گوئی کا ایک لفظ بھی نہیں۔ البتہ ایسوں کا تذکرہ ان کی خوبیوں اور نیکیوں کے ساتھ بارہا سننے میں آیا ہے۔

کارمینا
نظام ہضم کو بیدار کرتی ہے،
معدے اور آنتوں کے افعال کو
منظم و درست کرتی ہے۔
Carmina
ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں
کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیئے۔
آوازِ اخلاق
بہترین انسان وہ ہے جس کا وجود انسان کے لیے مفید ترین ہو۔
Adarts CAR-2/84

سوالات ۔ مولانا عبدالحق

جوابات ۔ وفاقی وزراء

قومی اسمبلی میں قومی و ملی مسائل

مجلس شوریٰ کے منظور کردہ اسلامی قوانین کے مسودات

سوال نمبر ۱۶۴ ۔ مورخہ ۱۰ اگست ۸۵ء

مولانا عبدالحق ۔ کیا وزیر عدل و انصاف و پارلیمانی امور بیان فرمائیں گے کہ

ا۔ آیا یہ امر واقعہ ہے کہ کالعدم مجلس شوریٰ (وفاقی کونسل) نے حسب ذیل قوانین منظور کئے تھے

۱۔ قصاص و دیت کے قانون کا مسودہ ۔ ۲۔ قاضیوں کی عدالتوں کے قانون کا مسودہ ۔ ۳۔ قانون حق شفعہ ۔

ب ۔ آیا یہ بھی امر واقعہ ہے کہ مذکورہ نافذ نہیں کئے گئے نیز

ج ۔ آیا مذکورہ قوانین اسمبلی میں پیش کئے جائیں گے اگر ایسا ہی ہے تو کب تک ؟

جناب اقبال احمد خان ۔ (ا) جی ہاں ۔ ۲۔ جی ہاں

۳۔ جی ہاں ۔

ب ۔ جی ہاں ۔

ج ۔ ۱۔ جی ہاں ۔ جہاں تک قصاص ، دیت اور قاضی عدالتوں کے مسودہ قوانین کا تعلق ہے وہ حکومت کے زیر غور ہیں اور حتمی شکل دیئے جانے کے بعد قومی اسمبلی میں پیش کئے جائیں گے

۲۔ جی نہیں ۔ جہاں تک قانون شفعہ کے مسودہ کا تعلق ہے ۔ مذکورہ قانون شفعہ وفاقی قانون سازی کی کسی بھی فہرست میں جو آئین کے چوتھے گوشوارے میں نہیں شامل کیا گیا لہذا پارلیمان کو اس موضوع پر قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں ہے ۔

صوبہ سرحد میں تیل اور گیس کا سروے

سوال نمبر ۴۰۳ ۔ مورخہ ۲۰ اگست ۸۵ء

مولانا عبدالحق ۔ کیا وزیر تیل اور قدرتی وسائل از راہ کرم بیان فرمائیں گے کہ

ا۔ صوبہ سرحد کے کن علاقوں میں تیل اور گیس کی تلاش کے لئے سروے کیا گیا ہے اور

ب ۔ وہ علاقے کون سے ہیں جہاں جی ڈی سی کا سرمایہ کاری کا منصوبہ ہے ۔

ڈاکٹر محمد اسد خان ۔ ا۔ کوہاٹ ، بنوں اور ڈیرہ اسمٰعیل خان ڈویژن کے علاقوں میں پٹرول کے امکان کا اندازہ لگانے کے لئے ارضیاتی اور جیو فزیکل سروے کئے گئے ہیں ۔

ب۔ او جی ڈی سی شاخہ کی کریسینٹ پٹرولیم کمپنی U.A.E کے ساتھ رعایتی معاہدہ تشکیل پانے پر کوہاٹ ڈویژن میں واقع علاقوں میں سرمایہ کاری کرے گی۔

چراٹ تا اٹک معدنیات کی سروے

سوال نمبر ۴۷۰۔ مورخہ ۲۰ اگست ۸۵ء

مولانا عبدالحق۔ کیا وزیر تیل اور قدرتی وسائل از راہ کرم بیان فرمائیں گے کہ

ا۔ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ تحصیل نوشہرہ کا چراٹ سے لے کر اٹک پل اور نظام پور تک کا علاقہ پہاڑی ہے۔ اور صرف قلیل سا علاقہ میدان سا ہے۔

ب۔ کیا معدنیات اور تیل کی تلاش کی غرض سے مذکورہ علاقوں کا سروے کیا گیا ہے۔

ج۔ اگر درج بالا (ب) کا جواب اثبات میں ہے تو اس بارے میں کئے گئے اقدامات کی تفصیل کیا ہے۔

د۔ اگر درج بالا ب کا جواب نفی میں ہے تو کیا مذکورہ بالا علاقے کا سروے کرنے کا کوئی پروگرام ہے۔

ڈاکٹر محمد اسد خان۔ ا۔ جی ہاں

ب۔ علاقائی ارضیاتی تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاقہ میں تیل کے اجزاء موجود نہیں ہیں۔

ج۔ مذکورہ علاقے میں تیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

د۔ ضمن (ب) اور (ج) بالا کے جوابات کے پیش نظر ضرورت نہیں۔

دینیات کے اساتذہ سے بے انصافی

سوال نمبر ۴۷۵۔ مورخہ ۲۲ اگست ۸۵ء

مولانا عبدالحق۔ کیا وزیر خزانہ و اقتصادی امور بیان فرمائیں گے کہ

ا۔ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ ملک بھر میں تنخواہیں وفاقی حکومت کی جانب سے مقررہ تنخواہ سکیلوں کے نظام کے تحت مقرر کی جا رہی ہیں۔

ب۔ آیا وفاقی حکومت انگریزی کے اساتذہ کے برابر دینیات کے اساتذہ کو باعزت مقام دینے کے لئے غور کرے گی۔

ڈاکٹر محبوب الحق۔ ا۔ جی ہاں۔ صرف وفاقی حکومت کے ملازمین کے سلسلے میں۔

ب۔ اس وقت وفاقی سرکاری سکولوں میں دینیات کے اساتذہ اور اساتذہ انگریزی جیسا کوئی علیحدہ درجہ نہیں ہے۔ وفاقی سرکاری سکولوں میں بطور ابتدائی سکول اساتذہ مڈل سکول اساتذہ اور ہائی سکول اساتذہ کی درجہ بندی کی گئی ہے تنخواہ کے سکیل کے معاملے میں دینیات کے اساتذہ اور انگریزی کے اساتذہ کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔

نظام پور کا پبلک کال آفس

سوال نمبر ۵۱۳۔ مورخہ ۷ اگست ۸۵ء

مولانا عبدالحق: کیا وزیر مواصلات بیان فرمائیں گے کہ
(الف) کیا یہ امر واقع ہے کہ نظام پور کے علاقے میں صرف ایک پبلک کال آفس ہے اور وہ بھی نظام پور قصبہ میں ہے۔
(ب) کیا یہ بھی امر واقع ہے کہ وہاں پبلک کال آفس میں صرف ایک ٹیلیفون سیٹ ہے جو پچھلے چار سالوں سے خراب ہے۔ اور کوئی ٹیلیفون لائن نہیں ہے۔

جناب محی الدین بلوچ: (الف) جی ہاں۔ نظام پور میں ایک طویل فاصلہ کا پبلک کال آفس لگایا گیا تھا۔
(ب) جی ہاں۔ متعلقہ کال آفس اس وقت کام نہیں کر رہا۔ محکمہ پبلک کال آفس کو ڈی ایس ایف سسٹم پر چلانے کی تجویز پر غور کر رہا ہے۔

سرکاری گاڑیوں کا ناجائز استعمال

سوال نمبر ۷۸۔ مورخہ ۲۱ اگست ۸۵ء
مولانا عبدالحق: کیا وزیر انچارج شعبہ کابینہ از راہ کرم یہ بیان فرمائیں گے کہ
(الف) آیا یہ ذمہ داریوں کی نوعیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر دفتر کا ماہوار کوٹہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔
(ب) کیا ہر محکمے کی گاڑیاں کو ہر پول میں رکھ کر اور صرف سرکاری ضرورت کے لئے اس کے استعمال کی اجازت دے کر حکومت گاڑیوں کے ناجائز استعمال کو روکنا چاہتی ہے۔

ڈاکٹر محبوب الحق: یہ قابل عمل نہیں ہے۔ پٹرول کا کوٹہ صرف بنیادی تنخواہ کے سکیل نمبر ۲۱ اور ۲۲ کے افسران کے لئے مقرر کیا گیا ہے جنہیں انفرادی طور پر سرکاری گاڑی کی سہولت فراہم کی گئی ہے۔ ہر ڈویژن محکمے اور شعبے کے کام اور فرائض اس کی سرکاری ذمہ داریوں اور تقسیم کار کے مطابق ماہ بماہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں تاہم ہر وزارت/ڈویژن اور ان کے ماتحت محکموں/اداروں کے لئے گاڑیوں کی تعداد اور مالی حدود، تخصیصات میزانیہ برائے پٹرول کی مناسبت سے معین ہیں۔ اور انہیں ان کی حدود کے اندر رہنا ہوتا ہے۔ یہ ڈویژن کے سیکرٹری یا محکمے/ادارے کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بحیثیت اعلیٰ افسر حساب داری (پرنسپل اکاؤنٹنگ آفیسر) اس پر عمل درآمد کو یقینی بنائے۔
(ب) اس پر پہلے ہی عمل ہو رہا ہے۔ ہر وزارت ڈویژن میں سرکاری گاڑیوں کا پول ایک ٹرانسپورٹ آفیسر کے زیر انتظام رہتا ہے۔ ہر ٹرانسپورٹ آفیسر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ کوئی گاڑی باقاعدہ اجازت کے بغیر استعمال نہ ہو۔

سرکاری ملازمین اور اخلاقی ترقیوں میں عدم توازن

سوال نمبر ۸۱۔ مورخہ ۲۲ اگست ۸۵ء
مولانا عبدالحق: کیا وزیر خزانہ و اقتصادی امور بیان فرمائیں گے۔ کہ

ا۔ آیا وفاقی حکومت کے پیشہ ورانہ محکموں میں خدمات انجام دینے والے گریڈ ۱۷، ۱۸ اور ۱۸ کے ملازمین جن کے پاس پی ایچ ڈی کی ڈگریاں ہیں، اضافی ترقیوں کے مستحق ہیں۔

ب۔ اگر ایسا ہی ہے تو یہ امر واقع ہے کہ گریڈ ۱۸ کے ملازمین جن کا موجودہ پے سکیل یکم جولائی ۸۳ء کو ختم ہو گیا ہے۔ اضافی ترقیوں کے مستحق ہوں گے صرف اس صورت میں جب کو گریڈ ۱۸ سے ۱۹ کو ترقی دی جائے گی نیز

ج۔ آیا یہ امر بھی واقع ہے کہ وہ ملازمین جو پہلے ہی گریڈ ۱۸ میں کام کر رہے ہیں اور ان کا موجودہ پے سکیل یکم جولائی ۸۳ء کو ختم ہو گیا ہے جب وہ گریڈ ۱۹ میں ترقی پاتے ہیں تو اضافی ترقیوں کے مستحق نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر محبوب الحق۔ ا۔ جی ہاں۔ ٹیکنیکل ڈیپارٹمنٹوں میں نیا دی پے سکیل ۱۷/۱۸ کے فنی اور پیشہ ورانہ ملازمین پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے پر پیشگی ترقیوں کے مستحق ہوتے ہیں۔

ب۔ جی ہاں۔

ج۔ جی ہاں۔

علاقہ خٹک نظام پور کی بجلی

سوال نمبر ۶۴۳۔ مورخہ ۲۰ اگست ۸۵ء

مولانا عبدالحق۔ کیا وزیر پانی و بجلی از راہ کرم بیان فرمائیں گے کہ

ا۔ آیا یہ امر واقع ہے کہ تحصیل نوشہرہ کے متعدد گاؤں خاص طور پر خٹک اور نظام پور کے علاقوں کو بجلی نہیں دی گئی۔

ب۔ آیا رواں بجٹ میں سے اس مہینے علاقے کو بجلی دینے کا کوئی پروگرام ہے۔ نیز

ج۔ اگر ضمن بالا کا جواب اثبات میں ہو تو بجلی فراہم دے کتے جانے والے) گاؤں کے نام اور منصوبہ کردہ نام کی پیش رفت کیا ہے۔

میر ظفر اللہ خان جمالی۔ ا۔ تحصیل نوشہرہ کے بیشتر گاؤں کو بجلی فراہم کی جا چکی ہے۔

ب۔ رواں مالی سال کے لئے دیہات کو بجلی فراہم کرنے کا منصوبہ این ڈبلیو ایف پی کی صوبائی حکومت کی طرف سے تکمیل کے مراحل میں ہے۔

ج۔ جو دیہات موجودہ مقرر کردہ معیار پر پورے اتریں گے اور جن کو اے ڈی پی نے منظور کیا ہے صوبائی حکومت کی جانب سے ان کو بجلی مہیا کی جائے گی۔ صوبائی حکومت نے واپڈا کو ابھی تک دیہات کے ناموں سے مطلع نہیں کیا ہے

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی

مطالعات علوم اسلامیہ اور روس

(انقلاب روس سے پہلے)

۱۹۵۴ء میں ماسکو کی اکیڈمی آف سائنسز کی طرف سے مشہور مستشرق این اے سمرنوف کی ایک کتاب "روس میں مطالعات علوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجمل خاکہ" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی جو ۲۷۵ صفحات پر محیط ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں گیارھویں صدی عیسوی سے لے کر انقلاب روس سے پہلے تک روس میں اسلام اور اسلامی علوم پر جو کام ہوئے ہیں۔ ان میں اہم اور نمائندہ کاموں کا تعارف کرایا ہے۔ اصل کتاب روسی زبان میں لکھی گئی ہے جس پر ایک انگریزی سہ ماہی مجلہ "سنٹرل ایشین ریویو" لندن کے تبصرہ نگار نے تین شماروں میں (جلد ۲ ص ۲۸۲، ۲۹۷، جلد ۳ ص ۷۶ - ۸۸ - اور ص ۱۶۴ - ۱۷۴) میں خاصہ مفصل تبصرہ کیا ہے۔ عام اردو خواں طبقہ روسی زبان سے قطعی ناواقف ہے۔ اور "سنٹرل ایشین ریویو" پڑھے لکھے طبقہ میں بھی عام نہیں ہے اس لئے درج ذیل سطور میں سنٹرل ایشین ریویو کی پیش کردہ معلومات کو نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اردو داں حضرات کو بھی اس بات کا علم ہو سکے کہ روس میں اسلامیات کے موضوع پر کیا کیا اور کس نہج سے کام ہوا ہے؟

سمرنوف نے اپنے مقدمہ میں سب سے پہلے تو اس بات پر روشنی ڈالی ہے اور اسی کو اس کتاب کے لکھنے کا اصل مقصد قرار دیا ہے کہ ایک طبقاتی سماج میں، سماج کی پیش رفت کے سلسلے میں مذہب ایک اہم اور فعال کردار ادا کرتا ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ سمرنوف نے اپنے اس خیال کی وضاحت کے لئے مارکس، اینگلز، لینن اور اسٹالن کی تحریروں اور تقریروں سے اقتباسات دیتے ہوئے اپنی بات کہی ہے۔ انہوں نے اپنے مقدمہ میں اس بات کی بھی صراحت کر دی ہے کہ روس میں اسلام اور اسلامیات پر جو کام ہوا ہے وہ دو طبقات کے مصنفین کی کاوشوں کا رہین منت ہے یعنی بورژوا مصنفین اور پرولتاری مصنفین۔ انقلاب روس سے پہلے کے تمام مصنفین کو انہوں نے بورژوا قرار دیا ہے۔ مگر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان "بورژوا" مصنفین نے بھی بہت سے ایسے کام کئے ہیں جو حقائق پر مبنی ہونے کی وجہ سے علمی سرمائے میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سمرنوف کی کتاب کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان "بورژوا" مصنفین کے تحقیقی کاموں کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کیا جائے جو سوویتی تاریخی علوم کے مطالعے میں ممد و معاون ثابت ہو اور اس بات پر روشنی ڈال سکے کہ روسی سماج کی پیش رفت میں مذہب اسلام کا کیا حصہ رہا ہے؟

"بورژوا" مصنفین کے علمی اور تحقیقی کاموں کا مطالعہ اہمیت کا حامل ہے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ روسی مصنفین کو خبردار کرتے ہیں کہ ان "بورژوا" مصنفین کی تحقیقات، تعصبات اور تاملات سے پر ہیں اور ان کے نزدیک یہ تمام تحقیقی کام "بورژوا خیال پرستی" کی ترویج و اشاعت میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں اس لئے پرولتاری روسی محققین کو ان تحقیقات کا مطالعہ کرتے وقت بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ لینن کے نزدیک یہ ہے کہ "بورژوا مصنفین" جس مواد سے اپنے تحقیقی نتائج اخذ کرتے ہیں وہ تاریخی جدلیت کے تصور سے عاری ہوتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کی تحقیقات یہ بتانے سے قاصر ہوتی ہیں کہ نظریات کی دنیا میں اسلام کا حقیقی کردار کیا رہا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو سمرنوف کی زیر تذکرہ کتاب بھی اسی نقطہ نظر کی غماز ہے اور انہوں نے بھی "بورژوا" مصنفین کی تحقیقات کا مطالعہ لینن ہی کے نقطہ نظر سے کیا ہے اس کتاب کو لکھنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسلام شناسی کے سلسلے میں روسی محققین نے جو نئے نئے عناصر داخل کئے ہیں ان کا شرح و بسط کے ساتھ تعارف کرایا جائے۔ اور مارکسی لینینی نظریئے کے تحت ان تمام غیر عقلی، غیر سائنسی اور علیبی باتوں کو بے نقاب کیا جائے جن سے "بورژوا" مصنفین کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ علاوہ بریں ان غلطیوں کی بھی نشاندہی کی جائے جو "بورژوا" مصنفین کی تحقیقات کی وجہ سے بعض روسی مورخوں اور فلسفیوں کے یہاں اسلام کی تعبیر، توضیح اور تشریح کرتے ہوئے در آئی ہیں۔

سمرنوف نے اپنے مقدمہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انقلاب روس کے بعد "انقلاب مخالف اور رجعت پسند" طاقتیں انقلابی قوتوں سے نبرد آزما ہونے لگیں۔ لینن نے اس نازک موقع پر اس بات پر زور دیا کہ جس حد تک ممکن ہو سائنسی بنیاد پر مذہب مخالف پروپیگنڈا کیا جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ لینن نے اس احتیاط کا بھی مشورہ دیا کہ مذہب مخالف پروپیگنڈہ کرتے وقت نہ تو مذہب پر بڑھ چڑھ کر حملہ کیا جائے اور نہ مذہبی معتقدات ہی کے خلاف کوئی ایسی بات کی جائے جس کی وجہ سے اس کے ماننے والے برگشتہ خاطر ہو کر "خیالی پلاؤ پکانے والے مذہبی معتقدات" پر مجتمع ہو جائیں۔ اسی لئے "بورژوا" مصنفین کی کتابیں اس زمانے میں بھی روس میں شائع ہوتی رہیں اور کم و بیش آج بھی یہ سلسلہ باقی ہے۔ اسی سلسلہ سخن میں سمرنوف نے امریکی سامراجیوں کو اس بات کے لئے قصوروار ٹھہرایا ہے کہ وہ آج بھی اپنی نسلی اور غیر انسانی پالیسیوں کے جواز کے لئے مذہب ہی کو آلہ کار بناتے ہیں اور اپنے اس عمل کے ذریعہ امن، جمہوریت، تمدن اور

ترقی کی مخالفت میں مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ اس لئے سمرنوف کے خیال میں ان حالات کی وجہ سے تمام سوویتی مورخوں اور محققوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس سرمایہ داری سے کھل کر نبرد آزما ہوں جس کی نمائندگی اسلام کرتا ہے۔ بقول سمرنوف، مالنکوف نے پارٹی کانگرس کے انیسویں اجلاس میں سرمایہ داری کے بارے میں کہا تھا کہ " (یہ سرمایہ داری) خود بخود ختم نہ ہوگی۔ یہ اب بھی زندہ و پائندہ ہے۔ اور ممکن ہے آگے چل کر اس میں مزید اضافہ ہو" غالباً اسی لئے سٹالن نے کہا تھا۔ کہ کمیونسٹ پارٹی مذہب کے سلسلے میں غیر جانب دار نہیں رہ سکتی وہ مذہبی تعصب کے خلاف تحریک چلاتے گی۔

سمرنوف نے اپنی کتاب کے پہلے باب میں ان کتابوں سے بحث کی ہے جو انقلاب روس سے پہلے روسی مصنفین نے لکھی تھیں۔ اس باب کو سمرنوف نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ گیارہویں صدی سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی تک کے زمانے کی تصانیف کے مطالعے پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں چودھویں صدی کے اواخر سے اٹھارھویں صدی عیسوی تک کی کتابوں کے مطالعہ کے لئے وقف ہے۔

مصنف کے قول کے مطابق روسیوں کو مشرق کے بارے میں جو اولین اطلاعات ملیں ان کا ماخذ بیشتر یونانی مصنفین کی تحریریں تھیں۔ علاوہ بریں مختلف سفرناموں کے ذریعہ بھی ان کو بہت کچھ جاننے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ ان دو ماخذوں کے علاوہ روسیوں نے اپنے پڑوسی خانہ بدوش قبائل (غالباً تاجکوں، ازبکوں، تاتاریوں ترکوں، کرغیزیوں اور ترکمنوں کی طرف اشارہ ہے) کے ذریعہ اسلام کے بارے میں واقفیت حاصل کی۔ یہ جس زمانے کا ذکر ہے اس زمانے کے روس میں کلیسا کو برتری حاصل تھی۔ چونکہ اسلام اور یہودیت دونوں ہی کو عیسائیت کا حریف و مدمقابل سمجھا گیا تھا اس لئے اس زمانے میں مذکورہ دونوں مذاہب کے مطالعے کا شوق بڑھا اور اس کے نتیجے میں بہت سی کتابیں عالم وجود میں آئیں۔

سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے نہ تو اس زمانے میں لکھی جانے والی کتابوں کے نام درج کئے ورنہ ان کے مصنفین ہی کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ اس سلسلے میں اس نے کراچ کوفسکی (KARCH KOVSKII) کی ایک کتاب روس میں مطالعۂ علوم عربیہ کی تاریخ کا اجمالی خاکہ (مطبوعہ ۱۹۵۰ء) کا حوالہ دیا ہے جس میں زمانۂ زیر بحث کی تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تبصرہ نگار نے صرف اتنا بتانے پر اکتفا کیا ہے، کہ اس زمانے کی تصانیف زیادہ تر مسلمانوں کے عقائد، اخلاقیات اور رسوم و رواج سے بحث کرتیں البتہ بعض کتابوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا ناقدانہ جائزہ بھی لیا گیا تھا مگر اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ ناقدانہ جائزہ کس نوعیت کا تھا۔ اس لئے ہم بھی اس سلسلے میں کوئی تفصیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

چودھویں [illegible] صدی عیسوی کے روس میں اسلام کا جو مطالعہ روسی مصنفین نے پیش کیا وہ اپنی

کیفیت اور کمیت دونوں کی وجہ سے خاصا اہم اور قابل لحاظ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب منگول اور خانہ بدوش قبائل مل جل کر اسلام کے جھنڈے تلے روس کے خلاف جنگ لڑ رہے تھے۔ اس جنگ کی وجہ سے روسیوں کے دل میں یہ خواہش پیدا رہی کہ وہ اسلام کا غائر نظر سے مطالعہ کرکے اس مذہب کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل کریں اس لئے اس دور میں روسی مصنفین نے اسلام پر بہت سی کتابیں لکھیں جب ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے قسطنطنیہ کو فتح کرکے اس کو اپنے زیرنگیں کرلیا تو اسلام کے مطالعہ پر روسی مصنفین اور زور دینے لگے۔ اور نئے نئے زاویوں سے اسلام کا مطالعہ کرنے لگے۔ اس سلسلے میں سمرنوف نے جس کتاب کو سب سے اہم قرار دیا وہ آتانسی کی تن (ATANASI NIKITIN) کی کتاب ہے جس کا نام "تین سمندر پار کا سفر نامہ" ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں ماسکو کی اکیڈمی آف سائنسز کی طرف سے شائع بھی کردی گئی ہے۔

سمرنوف کے قول کے مطابق پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز ہی سے بہت سی غیرملکی زبانوں کی وہ کتابیں جو اسلام پر لکھی گئی تھیں روس میں ترجمہ ہونے لگیں۔ ان کتابوں میں سے بیشتر سیرت سے متعلق تھیں اور چند کتابیں ایسی بھی تھیں جن میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بارے میں مفصل معلومات درج تھیں۔ ممکن ہے سمرنوف نے ان میں سے بعض کتابوں پر تنقیدی نظر بھی ڈالی ہو۔ مگر چونکہ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے ان میں سے کسی کے بارے میں کسی قسم کی معلومات نہیں فراہم کیں اس لئے جب تک اصل کتاب سامنے نہ ہو ان کتابوں کے مصنفین یا خود کتابوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی کا زمانہ وہ تھا جب کہ روسیوں نے آذربائیجان، ایران اور ترکی کی مسلمان حکومتوں سے سفارتی تعلقات قائم کئے۔ اور ان ملکوں سے براہ راست تجارت بھی کرنے لگے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب روسیوں نے اس بات کی بھی کوشش شروع کی کہ ہندوستان کے مغل حکمرانوں سے ان کے تعلقات استوار ہو جائیں۔ اور دونوں ملکوں میں آزادانہ تجارت بھی ہونے لگے۔ ان اسباب کی بنا پر اسلام اور اسلامی ممالک کے بارے میں علم حاصل کرنے کا روسیوں کا جذبہ مزید بڑھا۔ اس دور میں اسلام پر کتابیں لکھنے کے علاوہ روسی مصنفین نے مسلمانوں پر بھی کتابیں لکھنی شروع کیں جن میں سے دو کتابیں بہت اہم ہیں۔ ایک تو تیمور اور اس کی فتوحات سے بحث کرتی ہے اور دوسری ترکوں کی تاریخ ہے۔ جسے ایک روسی محقق نے لکھا ہے۔ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے ان کتابوں اور ان کے مصنّفین کے بارے میں کسی قسم کی معلومات نہیں فراہم کیں۔ اس لئے ہمارے لئے یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ کتابیں کس پائے کی ہیں اور کس حد تک روس کی اسلام شناسی کی پیش رفت میں ان کا حصہ ہے۔

سترھویں صدی عیسوی میں جب ترکوں نے بڑھ بڑھ کر روس پر حملے شروع کئے تو روسیوں کی یہ خواہش اور بڑھی کہ وہ اپنے "دشمن" کے مذہب اور کردار کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں تاکہ

ان کو اپنے ملک کی مدافعت میں آسانی ہو۔ اس زمانے میں روس میں اسلام پر جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں سے بیشتر کتابوں میں اسلام کا مطالعہ ترکی کے تناظر میں کیا گیا ہے۔ اور اسلام کو اس نقطہ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے جس نقطہ نظر سے ترک دیکھتے اور سمجھتے تھے۔

عمومی طور پر روس میں پیٹر اول کو اسلامی علوم کی پیش رفت اور ترقی کا بانی مبانی سمجھا جاتا ہے۔ مگر سمرنوف اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ پیٹر اول کے زمانہ سے بہت پہلے روس کے لوگ اسلام سے بخوبی واقف تھے اور اس زمانے کی بہت سی سرگزشتیں، سفرنامے اور دیگر علمی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے مصنفوں نے روسی اور غیر روسی ماخذ کی مدد سے اسلام کے بارے میں حکمران طبقے اور کلیسا کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کتابوں کا خاص رجحان مسلمانوں کے عقائد کی نفی کرنا، ان کو غلط ثابت کرنا اور عیسائیت کے مقابلے میں جادۂ حق سے ہٹا ہوا قرار دینا ہے۔ اس لئے ان کتابوں میں اسلام کو نہ برداشت کرنے کی روح جلوہ گر ہے۔ اور ان کی تہہ میں یہ جذبہ کارفرما ہے کہ مملکت روس میں اس مذہب کو نیست و نابود کرکے رکھ دیا جائے۔

روسیوں کے اس جذبے کی تسکین کے لئے ۱۷۰۲ء میں ایک مخصوص سکول قائم کیا گیا جس کا خاص مقصد مشرقی زبانوں کا مطالعہ اور اس کے ذریعے سے خود اسلام کا مطالعہ قرار دیا گیا تھا۔ اسی ادارہ کی طرف سے روس میں قرآن پاک کا سب سے پہلا روسی ترجمہ شائع کیا گیا۔ اس کے علاوہ حکمران کے حکم کے مطابق نظام اسلام پر بھی کتاب پیٹرزبرگ سے ۱۷۲۲ء میں شائع کی گئی۔ اسی زمانے میں پیکنگ میں بھی اسی طرح کا ایک مذہبی ادارہ قائم کیا گیا۔ اس ادارہ نے بھی اسلام کے بارے میں تحقیقی کتابیں شائع کیں جن کو سمرنوف کسی خاص وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

سمرنوف کے تجزیئے کے مطابق اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں روس کی سیاست ایک بحران سے دوچار ہوئی۔ اس بحران کی وجہ سے ایک نیا بورژوا گروہ اور ایک نیا روشن خیال طبقہ روس میں عالم وجود میں آیا۔ ان دونوں طبقات نے روس کی سماجی اور سیاسی زندگی پر اپنا اپنا اثر ڈالنا شروع کیا۔ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے روشن خیال طبقے کے دو افراد کا خاص طور سے ذکر کیا ہے جن کے نام لومونوسوف اور رڈشچیف ہیں۔

اول الذکر نے مادی روایات کی بنیاد ڈالی۔ اور ثانی الذکر نے اپنی ساری توجہ مشرق کے لوگوں کے مطالعہ پر مرکوز کی۔ سمرنوف کے قول کے مطابق اس عہد میں اسلام کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے بیشتر پر کلیسائی نقطہ نظر کا غلبہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ کچھ کتابیں ایسی بھی معرض وجود میں آئیں جن کو ترقی پسندانہ تصانیف کہا جا سکتا ہے۔ تبصرہ نگار نے دونوں طرح کی بعض کتابوں کے حوالے بھی دئے ہیں اور ان کے مصنفین کی بھی نشان دہی کردی ہے۔ جن کتابوں کو اس نے ترقی پسندانہ کتابیں قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک

ان کا براہِ راست تعلق اسلام سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ کتابیں قفقاز، امارتِ بخارا اور قدیم وسطِ ایشیا کے عوام پر لکھی گئی ہیں جن میں اسلام کا تذکرہ ضمناً ہوا ہے۔ جب نیکولا اوّل کی روس پر حکمرانی ہوئی تو یہ ترقی پسندانہ رجحان رو بہ زوال ہونے لگا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دور کے مستشرقین اپنی کتابوں میں اسلام کے بارے میں صرف سرکاری نقطۂ نظر پیش کرتے۔ اس زمانے کے مشہور روسی شاعر پوشکن نے اپنی جلاوطنی کے زمانے میں ایک کتاب " مصنوعی قرآن " کے نام سے لکھی۔ بقول سمرنوف یہ وہ پہلا ادبی کارنامہ تھا جس کی وجہ سے روس کے لوگ (غیر مسلموں سے مراد ہوگی) قرآن سے واقف ہوئے۔

اسی سلسلۂ سخن میں پروفیسر برین کے تحقیقی کاموں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مگر پروفیسر برین کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام ترقی کی راہ میں ایک رکاوٹ تھا۔ بقول سمرنوف پروفیسر مذکور اس بات کو نہ سمجھ سکا کہ مریدیت کی تحریک نے جس کی شامل نام کے ایک شخص نے قفقاز میں کی تھی روس کی سیاسی پیش رفت میں کتنا اہم کردار ادا کیا ہے۔

سمرنوف نے اس بات کی بھی نشان دہی کی ہے کہ برین نے غلطی سے مریدیت کی تحریک کو اسلام سے جداگانہ اور اسلام مخالف تحریک قرار دیا ہے۔ حالاں کہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے اور وہ اس بات کو بھی نہیں سمجھ سکا کہ اس تحریک کو " ترکی اور برطانیہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ سمرنوف نے برین کی کتاب پر رائے زنی کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

" وہ بھی اپنے دیگر معاصر مصنفین کی طرح اس نکتہ کو فراموش کر گیا ہے کہ مریدیت کی تحریک میں رجعت پسندانہ پہلو پوشیدہ تھے۔ اس تحریک نے فرد کی شخصیت کو امام اور امام کو خلیفہ کا ایسا تابع بنا دیا تھا کہ فرد کی اپنی شخصیت معدوم ہو کر رہ گئی تھی "

سمرنوف کے خیال کے مطابق یہاں خلیفہ سے مراد ترکی کا سلطان ہے۔ غالباً سمرنوف کو مریدیت کی تحریک میں 'پان ترکیت' کے اجزا نظر آئے۔ اسی لئے انہوں نے اس تحریک کو رجعت پسندانہ قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ برین کی اس کتاب پر اس پہلو سے اعتراض کرنے کے باوجود انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ درج بالا کتابیں بہرحال معلومات کا خزانہ ہیں۔ ان سے مفید نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے بہت سے حقائق کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد سمرنوف نے روس کے مذہب مخالف رجحان (غالباً اسلام مخالف) کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ اس تحریک کو چلانے والے " انقلابی جمہوریت پسند " کے نام سے موسوم تھے۔ یہ تحریک ۱۸۴۰ء سے ۱۸۶۰ء تک اپنے عروج پر رہی جو مصنفین اس تحریک کے زیر اثر آئے اور انہوں نے اس سلسلے میں کتابیں لکھیں ان میں سے

چند نام یہ ہیں :- ہیلنسکی - ہرزن - چرنی شی وسکی ۔ دوبرولیوبوف اور پیسارلیف ۔ ان میں سے دوبرولیوبوف نے خاص طور سے اسلام کو اپنے مطالعے کا موضوع بنایا ۔ اور اسلام کی مخالفت میں کتابیں لکھیں ۔ واشگٹن ارونگ نے ایک کتاب " حیات محمدؐ " کے نام سے لکھی تھی جس پر تبصرہ کرتے ہوئے دوبرولیوبوف نے آنحضرتؐ کی شخصیت کے بارے میں یہ نظریہ پیش کیا ہے ۔ کہ یہ شخصیت تاریخی وقوعات کی شاہ کمانی (MAIN SPRING) نہیں ہے ۔ دوبرولیبوف کے ایک مقالے کا خاص طور سے ذکر کیا ہے جس میں اس نے قفقاز پر روسی حملے کی اہمیت پر قلم اٹھایا ہے ۔ اس مقالے میں دوبرولیوبوف نے مریدیت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے بارے میں سمرنوف کا خیال ہے کہ " متعدد روسی مورخین کے مقابلے میں دوبرولیوبوف کا یہ مقالہ مریدیت کے بارے میں حقائق پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی فہم و فراست کا بھی غماز ہے ۔ اس مقالے میں دوبرولیوبوف نے یہ بھی لکھا ہے " مریدیت کسی بھی لحاظ سے کوئی نیا مذہب نہیں ہے ۔ یہ اسلامی عقائد اور اعمال پر مبنی ہے ۔ جس سے قفقاز کے کوہستانی لوگ ایک عرصے سے واقف تھے لیکن اس زمانے تک قفقاز کے کوہستانی اس پر عامل نہ تھے "۔

اس مقالے کے آخر میں دوبرولیوبوف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار کے قول کے مطابق یہ ہے " قفقاز کی تاریخ ہمارے سامنے جو حقائق پیش کرتی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ (یہ وقوعات) نہ تو شامل جیسی شخصیت کے ناگہانی ظہور سے عالم وجود میں آئے اور نہ مریدیت کے سخت عقائد ہی نے روس کے خلاف قفقازیوں کے دل میں بغاوت کا جذبہ بھڑکایا ۔ اس بغاوت کا اصل سرچشمہ قفقازیوں کی روسی غلبہ کے خلاف نفرت کا جذبہ ہے "۔

سمرنوف نے ایک آذربائیجانی ، مرزا فتح علی اخوند وف (۱۸۱۲-۱۸۷۸ء) کا خاص طور سے ذکر کیا ہے جس کی اسلام مخالف کتابیں روس کے اسلام مخالف طبقے کے نظریات کی تقویت کا سبب بنتی رہیں جس کی اسلام مخالف طبقے کے نظریات کی تقویت کا سبب بنتی رہیں اور ان کو اسلام مخالفت کی راہ دکھاتی رہیں ۔ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے نہ تو فتح علی آخوندوف کی کتابوں کے نام لکھے ہیں اور نہ ہی اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ اس کی اسلام مخالفت کس نوعیت کی تھی ۔ اس لئے ہم اُس کے بارے میں مزید کچھ کہنے سے قاصر ہیں البتہ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں نام نہاد مسلمانوں میں ایک چھوٹا سا طبقہ ضرور پیدا ہو چکا تھا ۔ جو اسلام مخالفت میں غیر مسلموں کا ساتھ دے رہا تھا ۔ اسی طرح اسی عہد کے ایک قازق ، چوکن ولی خانوف (۱۸۳۵-۱۸۶۵ء) کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس کو اسی صدی کے اہم مصنفین میں شمار کرتے ہوئے اس کی اس کتاب کا خاص طور سے تذکرہ کیا گیا ہے ۔ جس میں اس نے اسلام کے اس رول پر سخت تنقید کی ہے جو اسلام نے وسط ایشیا کے زار شاہی روس کے قبضے میں آنے سے پہلے وسط ایشیا میں انجام

دیا تھا۔ ولی خانوف کا ایک معاصر ابراہیم ال تن سرین (IBRAHIM ALTYNSARIN ۱۸۴۱ء ۱۸۸۹ء)
جو ولی خانوف ہی کی طرح ایک قازق تھا۔ اس صدی کا دوسرا اسلام دشمن مصنف ہے۔ ابراہیم کے سلسلے میں تبصرہ نگار نے کوئی خاص معلومات فراہم نہیں کیں۔ اس کی کتابوں کا بھی تذکرہ نہیں کیا جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی اسلام دشمنی کس نوعیت کی تھی؟

دوبرولیبوبوف اور آخوندوف کی تحریروں کو سمرنوف نے بہت سراہا ہے اور ان کو روسی ادبیات کا سائنسی ادب قرار دیتے ہوئے ان کی معنویت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابھی تک ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ قدیم زمانہ ہی سے روس میں اسلام شناسی کے عنوان سے جو کام ہوئے ہیں وہ زیادہ تر مذہب مخالف تھے۔ ان کتابوں کا اصل مقصد اسلام کے نظام، عقائد اور اس کی اصل اور بنیاد پر اعتراضات کا انبار لگانا اور اس کی من مانی توضیح، تشریح اور تعبیر کرنی تھی۔ انیسویں صدی میں جب کہ روس کی سیاست خود ایک بحران کا شکار تھی۔ اسلام مخالفت کی لہر میں خاصی جولانی آئی۔ اور اس کو طرفداتی بنانے میں بعض نام نہاد مسلمانوں نے بھی حصہ لیا جن میں سے چند کے نام اوپر درج کئے جاچکے ہیں۔

سمرنوف نے اپنی کتاب کا دوسرا باب "عہد سرمایہ داری میں اسلام کا مطالعہ" کے عنوان سے لکھا ہے یہ باب دو ذیلی عنوانات پر منقسم ہے۔ پہلا ذیلی عنوان اُن تحریروں سے بحث کرتا ہے جو مارکس اور اینگلز نے اسلام پر ہونے والوں کاموں کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ہم درج ذیل سطور میں دونوں ذیلی عنوانات کی اہم باتوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

پہلے ذیلی عنوان کے تحت سمرنوف نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت مختصر ہے۔ سب سے پہلے تو انہوں نے مارکس اور اینگلس کی تصانیف میں اسلام کے بارے میں جو حوالے ملتے ہیں ان سب کو جمع کردیا ہے اس کے بعد انہوں نے اینگلز کی کتاب "ابتدائی عہد کی عیسائیت کی تاریخ کا ایک تعارف" سے ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے اس ذیلی عنوان کو ختم کردیا ہے۔ اینگلز کے اقتباس میں یہ کہا گیا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کو مشرق کے لوگوں بالخصوص عربوں نے اختیار کیا ہے۔ اس کے ماننے والے اگر ایک طرف وہ شہری ہیں جن کا پیشہ تجارت ہے تو دوسری طرف وہ صحرانورد قبائل ہیں جو بدو کے نام سے موسوم ہیں۔ اسی کی وجہ سے وقفہ وقفہ سے ان دونوں طبقات میں تصادم ہوتے رہے، شہری افراد روز بروز امیر سے امیر تر ہوتے گئے۔ تعیشات کے متوالے بنتے گئے پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ احکام شریعت کی بجاآوری سے کوتاہی برتنے لگے۔ دوسری طرف بدو غریب کے غریب رہے اور اپنی غربت کے نتیجے میں اپنے عقائد میں پختہ سے پختہ تر ہوتے گئے۔ انہوں نے اپنے اخلاقی نظام سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ اور مذکورہ تعیش مسلمانوں سے نہ صرف برگشتہ خاطر ہوگئے بلکہ نفرت بھی کرنے لگے۔ اسی نفرت

ـکے جذبے کے تحت وہ ایک پیغمبر (مہدی) کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ۔ تاکہ اسلام کے ان گھس پٹھیوں کو سزا دے کر
اسلام کے عقائد و اعمال کی عظمت رفتہ کو بحال کریں اور اس کے نتیجہ میں ان منحرفوں کی دولت پر قبضہ کریں ۔ اس کا قدرتی
نتیجہ یہ ہوا کہ سو سال کے بعد وہ خود اس عالم میں آ گئے جس میں ان کے حریف مبتلا تھے ۔ اس لئے عقائد کی ایک نئی
تاویل و تفسیر لازمی قرار پائی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر ایک پیغمبر (؟) اٹھا اور وہی کھیل نئے سرے سے کھیلا گیا ۔ یہ تحریکیں مذہب
کی غیر واضح دھند سے نمودار ہوتی ہیں مگر ان تحریکوں کے عالم وجود میں آنے کا اصل سبب معاشی ہوتا ہے لیکن جب بھی یہ
تحریکیں کامیاب و کامران ہوتی ہیں ۔ تو وہ گزشتہ معاشی حالات پر کوئی اثر ڈالے بغیر گزر جاتی ہیں ۔

اینگلز کے درج بالا خیال پر نقد و تبصرہ کا یہ محل نہیں ہے ۔ نہ ہی مہدیت کی تاریخ دہرانے کی یہاں کوئی ضرورت
محسوس ہوتی ہے اینگلز کی اس تحریر کے حوالے سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسلام کی کس کس طرح تعبیر و تشریح کی گئی
ہے اور اس کے نظام عقائد و اخلاق کے ڈانڈوں کو کس طرح معاشیات سے ملانے کی کوشش ہوتی رہی ہے ۔ اس کے
وجود وہ طبقہ جو خود کو اسلام کا امین کہتا ہے ان تشریحات کا جواب دینا تو درکنار ان کے وجود سے بھی بے خبر ہے
سمرنوف نے مارکس اور اینگلز کی جو تحریریں اس مختصر سے حصے میں نقل کی ہیں ان کا لب لباب صرف اتنا ہے کہ بورژوا
طبقہ مذہب کے ذریعے عوام کا استحصال کرتا رہا ہے، اس طرح در پردہ وہ حکومت وقت کا بھی آلہ کار بنتا اور
عوام کو یہ سبق پڑھاتا کہ دنیاوی زندگی کے شدائد جھیلے جاؤ تاکہ تم کو آسمانی دنیا میں راحت و سکون مل سکے ۔ اس
نقطہ نظر پر علمی انداز سے بحث کی جا سکتی ہے ۔ اور یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ مذہب پر جو الزامات عائد کئے گئے
ہیں ان کی اصلیت کیا ہے ؟ لیکن چونکہ اس وقت روس میں اسلامیات پر ہونے والے کاموں کے بارے میں
گفتگو کی جا رہی ہے اس لئے اس بحث سے صرف نظر کیا جاتا ہے ۔

اس باب کے دوسرے حصے میں سمرنوف نے ۱۸۶۰ء سے لے کر ۱۸۹۰ء تک کی ان اہم تصانیف کا جائزہ لیا ہے
جن کا کسی نہ کسی طرح اسلام سے تعلق ہے مصنف نے اس باب کی ابتداء میں یہ بات واضح کی ہے کہ سرمایہ داری
کے عروج کے ساتھ ساتھ طبقاتی کشمکش بھی بڑھ گئی ۔ جس نے روس کے تمدن اور شرقیات کے مطالعے سب
ہی کو متاثر کیا ۔ یہ تو درست ہے کہ اس دور میں علم کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی ۔ مگر اس دور کے علم کا فریضہ یہ
تھا کہ وہ "زاریت" اور اس کی نوآبادیاتی پالیسیوں کی نہ صرف مدافعت کرتا رہے بلکہ اس کو حق بجانب بھی قرار دیتا
رہے ۔ اسی وجہ سے بقول سمرنوف علمی فلسفہ اور مذہب پر خاصا کام ہوا لیکن اس کے باوجود سمرنوف کے
نزدیک علم کی ترقی رک گئی ۔ اور اس زمانے کے روسیوں کی علمی روایت کوئی ترقی پسندانہ اقدام نہ کر سکی وہ مصنفین
جو مارکس اور اینگلز کی تحریروں سے متاثر تھے اور ان کی روشنی میں شرقیات پر مزید کام کر سکتے تھے ۔ ان کو حکومت
کی طرف سے اس کام سے باز رکھا گیا ۔ اور ان کو اس بات کی اجازت نہ دی گئی کہ وہ لوگ اس زمانے کے مشرقی

ممالک کے افراد کو "ہیچ ذات" کے لوگ تصور کرتے تھے۔ اس زمانے کے جن روسی مستشرقین کے تحقیقی کام اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ گریگوریلیف۔ کاظم بیک۔ روزن۔ سب لوکوف۔ زوکوسکی، بقول سمرنوف ان مصنفین کی تصنیفات بالعموم اسلام کے سیاسی اور سماجی افکار و اعمال سے بحث کرتی ہیں۔ یہ تمام مباحث مصنفین کے براہِ راست مطالعوں کا نتیجہ ہیں مگر ان میں "سائنسی نقطہ نظر" کا فقدان ہے۔ اسی زمانے کے ایک مصنف والدی میر سولوئیف کی کتاب "محمدؐ، حیات اور مذہبی تعلیمات" کا سمرنوف نے بطورِ خاص تذکرہ کرتے ہوئے اس پر سخت اعتراضات کیے ہیں۔ سب سے پہلے تو انہوں نے مصنف کی اہمیت گھٹانے کے لیے مصنف کو صحافی اور فلسفی کے لقب سے نوازا ہے۔ بعد ازاں حقائق کے نقطہ نظر سے انہوں نے اس کتاب کو بے قدر و قیمت قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ خدا پر اندھا اعتقاد رکھنے والوں، رجعت پسندوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشن کو خدائی مشن جاننے والوں میں یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ اس لیے سائنسی نقطہ نظر سے یہ کتاب بے قدر و قیمت ہے۔ علاوہ بریں اس کتاب میں مذہب اسلام کی تشریح و تعبیر چونکہ مادی نقطہ نظر سے نہیں کی گئی ہے اس لئے اس کتاب کی مزید ترویج و اشاعت سے اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ روس میں "مطالعات علوم اسلامیہ" کو نقصان پہنچائے گی۔ سمرنوف نے صرف انہی اعتراضات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے مشہور روسی مستشرق بارتھولڈ سے بھی شدومد کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ جنہوں نے لکھا تھا:-

"سولوئیف کی کتاب روسی زبان میں سیرت پر لکھی گئی کتابوں میں بہترین کتاب ہے"

سمرنوف نے بارتھولڈ کے اس خیال کو ان کی غلطی سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس کی وجہ ان کے اس نقطہ نظر کو قرار دیا ہے جو بار بار تھولڈ تاریخی عمل کے بارے میں رکھتے تھے۔

سمرنوف نے اس طرح ۴۶ کتابوں سے بحث کی ہے۔ یہ ساری کی ساری کتابیں ۱۸۵۳ء سے لے کر ۱۸۹۸ء تک کے عرصے میں لکھی اور شائع کی گئی تھیں۔ ان تمام کتابوں کے مواد کو سمرنوف نے نہ صرف غیر سائنسی قرار دیا ہے بلکہ ان کا شمار ان کتابوں میں کیا ہے جن کو روس کی زارشاہی نے اپنے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا۔ سمرنوف کی اطلاع کے مطابق یہ کتابیں "مشنری اور مسلم مخالف شعبہ" کی طرف سے شائع کی گئی تھیں۔ جس ادارہ کی طرف سے یہ کتابیں شائع کی گئی تھیں اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کا مقصد اصل و حقیقی اسلام کا مطالعہ نہ رہا ہوگا۔ بلکہ یہ کتابیں اس لیے لکھی گئی ہوں گی کہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں ان کے مذہب کے خلاف شک و شبہات پیدا کر کے ان میں مسیحیت کی تبلیغ کی جائے۔ غالباً اسی وجہ سے ان تمام کتابوں کو سمرنوف نے غیر سائنسی رویہ کی حامل کتابیں کہا ہے۔

اگرچہ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر حصہ میں بہت سے بورژوا مصنفین نے اپنے شرقیات کے

علم میں خاصا اضافہ کر لیا تھا۔ اور اپنے مطالعے کے نتیجے میں اچھی خاصی تعداد میں کتابیں بھی لکھی تھیں۔ لیکن ان کتابوں پر سمرنوف کو یہ اعتراض ہے کہ یہ کتابیں نہ صرف یہ کہ فلسفیانہ نوعیت کی ہیں بلکہ عینی فلسفہ کی غمازی بھی کرتی ہیں۔ اس لیے ان مصنفین کے طریق مطالعہ اور ان کے خیالات سے "ترقی پسند" مصنفین نے اختلاف کیا۔ جن کو اس زمانے میں "انقلابی جمہوریت پسند" کہا جاتا تھا۔ عمومی طور پر اس دور میں اسلامیات پر جو کام ہوئے ہیں ان کو عام روسی تحقیقات سے کہیں فروتر اور پست سطح کا قرار دیا گیا ہے۔

اس کتاب کا تیسرا باب ۱۸۹۵ء سے ۱۹۱۷ء تک کی تصانیف کے مطالعے پر مشتمل ہے۔ اس دور کو سمرنوف نے "خسروی دور" سے موسوم کیا ہے۔ اس باب کے ابتدائی حصہ میں لینن اور اسٹالن دونوں کی تحریروں کی تعبیر و تشریح کی گئی ہے۔ جو "مذاہب اور قومی کلچر" کے موضوع پر ہیں۔ لینن اور اسٹالن دونوں کی تحریریں مسلسل اس بات پر زور دیتی ہیں کہ وہ مذاہب جو مستقل بنیادوں پر قائم ہیں ان کے خلاف ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کرنی چاہیئے۔ تاکہ ہر قوم اور ہر ملت میں ایک جمہوری سوشلسٹ تمدن عالم وجود میں آ سکے۔ کیونکہ یہ مذاہب ان عوام کا استحصال کر رہے ہیں جو پہلے ہی دبے دبائے، کچلے کچلائے ہیں۔

لینن نے اس سلسلے میں خاص طور سے اسلام کا نام لیا ہے اور مشرقی عوام کے لئے کہا ہے کہ صرف سامنتی حکمران، زمین دار اور بورژوا طبقہ ہی استحصال نہیں کر رہا بلکہ مذہب اسلام بھی نہ صرف یہ کہ ان کا استحصال کر رہا ہے بلکہ دوسرے استحصال کرنے والوں کا معاون و مددگار بھی ہے۔

سمرنوف نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ خسروی دور میں زاویوں نے "قومی آزادی" کی جو جنگ چھیڑی تھی اس کے اثرات اس زمانے کی روسی بورژوائی تاریخ نویسی پر بہت گہرے پڑے ہیں۔ اس دور میں اسلام کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے پہلے حصے میں تو آسٹروموف۔ چیری ونسکی اور زویتکوف کی کتابیں آتی ہیں۔ ان مصنفین کے بارے میں خاص طور سے اس بات کی نشان دہی کی گئی ہے کہ یہ لوگ "شاہی رجعت پسند کیمپ" سے چپکے ہوئے ہونے کے ساتھ ساتھ کلیسا کے بھی معاون و مددگار تھے۔ دوسرے حصے میں روزن بارتھولڈ، ذوکوسکی اور مدنیکوف کی کتابیں شامل ہیں۔ ان مستشرقین کو "نام نہاد علمی مستشرق" قرار دیا گیا ہے اور ان کو جو مقام و مرتبہ حاصل تھا اس کو غیر سیاسی مقام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جہاں تک دوسرے گروہ کے مصنفین کی تحریروں کا تعلق ہے ان کے بارے میں سب سے بڑا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ یہ تحریریں تاریخی عمل کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں ان کے مصنفین نے نہ تو طبقاتی کش مکش کو سمجھا ہے اور نہ ہی عوامی مسائل کو۔ علاوہ بریں انہوں نے نہ تو اسلام کو صحیح طور پر سمجھا ہے اور نہ ہی اس کو صحیح طور پر (مصنف کے نقطہ نظر سے) پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ سمرنوف نے بارتھولڈ کریمسکی اور

کراچکوسکی کی تصانیف کو روسی مصنفین کے لئے اہمیت کا حامل بتایا ہے لیکن اس کے باوجود کراچکوسکی کی تصنیف پر یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے کہ اس کی تحریروں میں بہت سے وہ عناصر ملتے ہیں جو بورژوا مصنفین کی تحریروں کا خاصہ ہیں۔ مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح بورژوا مصنفین غیر ملکی مستشرقین کی کتابوں سے استفادہ کرکے نتائج اخذ کرتے ہیں اسی طرح کراچکوسکی نے بھی کیا ہے اس لئے سمرنوف کے نزدیک اس کی کتاب ناقص رہ جاتی ہے۔

سمرنوف نے "سیاسی مصنفین"، اور روس کے سب سے بڑے مستشرق بارتھولڈ کے کارناموں کا جائزہ لینے سے پہلے دوسرے طبقے کے بعض مصنفین کی تصانیف کا مبسوط و مفصل جائزہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے روزن کا بھی نام لیا ہے۔ روزن نے خود اسلام پر کسی غیر معمولی اہمیت کی کتاب نہیں لکھی لیکن اس کی اہمیت دو وجوہ سے ہے۔ اول تو یہ کہ "قازان کی مذہبی اکیڈمی" کی طرف سے جو اسلام مخالف لٹریچر شائع کیا تھا اس پر اس نے بھرپور اور مؤثر تنقید لکھ کر اس لٹریچر کی خامیوں کو اجاگر کیا ہے۔ دوم یہ کہ اس نے ایسے شاگردوں کی تربیت کی جو آگے چل کر علم کی دنیا میں نہایت نام آور ہوئے اور اپنے گہرے علمی نقوش روسی زبان و ادب پر چھوڑ گئے۔ روزن کے شاگردوں میں مدنیکوف اے۔ ای۔ شمدشی یونن اور کراچکوسکی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں میں شمد نے "ایک مذہب کی حیثیت سے اسلام کی تاریخ کا مجمل خاکہ" کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ لکھا۔ جو "میرا سلام" (دنیائے اسلام) نامی رسالہ میں شائع ہوا۔ شمد کے علاوہ کریمسکی نے بھی اسلام پر متعدد کتابیں لکھیں جن کے نام سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے نہیں لکھے۔ کریمسکی اپنے تبحر علمی کے باوجود اسلام کے اس اصل و حقیقی مقام کو متعین کرنے میں ناکام رہا ہے جو اس کو مشرقی عوام میں حاصل تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کی تحریریں اپنی جگہ پر انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ اور ان کے مطالعے سے اس زمانے کی روسی فکر کو سمجھا جا سکتا ہے۔

اس دور میں بابیوں اور بہائیوں پر بھی متعدد روسی عالموں نے کتابیں لکھیں۔ بنتشکوف۔ امانٹس۔ زدکوسکی اور باکولن کے نام اس ضمن میں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ تبصرہ نگار کے قول کے مطابق باکولن اور بعض دوسرے مصنفین بہائیت اور بابیت کے فرق کو نہ سمجھ سکے۔ اور غلط مبحث کا شکار رہ گئے۔ ان کی نظر اس بات تک مطلق نہ پہنچ سکی کہ بابیت اور بہائیت دونوں کے الگ الگ عقائد ہیں۔ باکولن نے اپنی کتاب میں اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ وہ ناصر الدین شاہ قاچار کے قتل کے جرم میں بابیوں کو بری کردیں۔

باکولن کی بہائیت پر جو کتاب ہے اس کو وہ مکمل نہ کر پائے تھے کہ ان کی موت ہوگئی۔ ان کے مرنے کے بعد زدکوسکی نے ان کے جمع کردہ مواد کو مرتب کرکے شائع کیا۔ اس کتاب کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں ایک ایسا خط بھی حوالہ کے طور پر نقل ہوا ہے جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ فارسی کی مشہور اور مقتول شاعرہ

قرۃ العین طاہرہ کا دستخطی ہے۔ بابیوں اور بہائیوں کے علاوہ اس دور میں روسی زبان میں اسماعیلیوں پر لکھی گئی کتابیں لکھی گئیں جن میں سے دو مصنفین بوبرنسکی اور سمرنوف کی کتابیں علمی حلقوں میں وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ سمرنوف نے ۱۹۱۲ء میں "دنیائے اسلام" میں شغنان کے اسماعیلیوں کے مذہبی معتقدات پر ایک مقالہ شائع کیا تھا جس کی علمی حلقوں میں خاصی پذیرائی ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں بعض اور اہم کتابیں روسی عالموں کے قلم سے عالم وجود میں آئیں۔ مثلاً کرنسکی کی کتاب "اسلام میں تصوف" (سمرقند ۱۹۰۶ء) اور کے سمرنوف کی کتاب "اہل ایران ایرانی مذہب کا ایک مجمل خاکہ" (تفلس ۱۹۱۵ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار کی تحریر پڑھ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کرنسکی نے اسلامی تصوف کی مختلف شاخوں پر نظر ڈالتے ہوئے "درویشیت" سے خاصی بحث کی ہے۔ اور اس کو منفی رجحانات کا حامل قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تبصرہ نگار کو یہ شکایت باقی رہتی ہے کہ وہ تصوف کے اس غلط پہلو کا پردہ فاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ جس نے مشرقی ممالک کے عوام کو رجعت پسندانہ خیالات کا حامل بنا دیا ہے۔ سمرنوف نے اپنی مذکورہ بالا کتاب کا مواد زیادہ تر فارسی ماخذ سے حاصل کیا ہے۔ لیکن تبصرہ نگار کے نزدیک سمرنوف نے اسلام اور شریعت کے بارے میں اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ "قدیم وضع" کا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ غیر ملکی مصنفین کی رایوں سے اتنا متاثر ہو گئے ہیں کہ اسلام اور شریعت کے بارے میں خود اپنی کوئی رائے قائم نہیں کر سکے۔ سمرنوف کی دوسری اہم کتاب جو اسی دور کی یادگار ہے "درویش اور ان کا سیاسی کردار" کے نام سے لکھی گئی ہے۔

سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے اس بات کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا ہے کہ جب ۱۹۰۵ء میں روس کا پہلا انقلاب ناکام ہو گیا تو زار شاہی نے اپنی ساری طاقت و قوت کو مجتمع کر کے کمیونسٹ پارٹی اور پرولتاریوں سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ اس زمانے میں اسلام کے بارے میں جو کتابیں روس میں لکھی گئیں ان میں سے بیشتر میں اس خوف و خطر کا اظہار کیا گیا کہ "اسلامی قوتیں" ابھر رہی ہیں۔ اور یہ روسیوں کے لئے پریشانی کا سبب بن سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے چیریوتسکی کی کتاب "دنیائے اسلام اور اس کی بیداری" کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ:-

"ہم کو یہ بات مان لینی چاہیئے کہ یہ کوئی مستقل بنیاد پر قائم ہونے والا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک مذہبی اور سیاسی ادارہ ہے جو اپنے کُلّی اور عالمگیر ہونے کا مدعی ہے جو کسی اور مذہب کا ادعا نہیں ہے۔"

اس کتاب میں مصنف نے پے در پے اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ اسلام کو عیسائیت کے مقابلے میں فروتر ثابت کرے۔ اور اس بات پر زور دے کہ جب تک قرآن اسلامی دنیا میں رہنمائے مطلق کی حیثیت سے باقی رہتا ہے اس وقت تک نہ تو دنیائے اسلام کی بیداری کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس بات کی کہ وہ مسیحیت کو سنجیدگی

سے سمجھنے کی کوشش کرے گی۔ اس خیال کی بازگشت ان تمام کتابوں میں ملتی ہے جو خسروی دور کے روس میں اسلام پر لکھی گئی ہیں۔ اسی نوعیت کی ایک اور کتاب قابل ذکر ہے جس کو ذوتکوف نے "اسلام" کے نام سے چار جلدوں میں لکھا ہے سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے اس کتاب کے مواد کو بہرحال دلچسپ مواد قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس کتاب کا بیشتر مواد اپنے وسط ایشیا کے عارضی قیام کے زمانے میں جمع کیا تھا۔ تبصرہ نگار نے اس سے زیادہ اس کتاب کے بارے میں معلومات درج نہیں کیں جس سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کس حد تک اسلام مخالف کتاب ہے۔

اس دور کا ایک دوسرا مصنف این۔ ٹی۔ آسٹروموف اسلام مخالف کے علاوہ مسلمان مخالفت میں بھی پیش پیش تھا۔ آسٹروموف، زار روس کی نوآبادیاتی پالیسی کا پرجوش مبلغ تھا۔ اور اس کی ساری کوشش یہ تھی کہ غیر روسی اقوام (ترک، تاتار، تاجک، اوزبک، ترکمن وغیرہ جو سب کے سب مسلمان تھے) میں نہ تو اپنی قومیت کی شناخت کا کوئی جذبہ ہونے پائے نہ ہی وہ اپنے تمدن کے تحفظ کی طرف مائل ہوں نہ ان کی زبان ایک آزاد زبان کی حیثیت سے پیش رفت کی راہوں کو طے کرنے پائے۔ اُن کو عوام کی جہالت اپنی جگہ برقرار رہے اور جس طرح بھی ممکن ہو ان تمام اقوام کو "روسیا" لیا جائے تاکہ ان کی شناخت باقی نہ رہ سکے۔

آسٹروموف نے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۶ء تک کے پانچ برسوں کے عرصے میں متعدد کتابیں لکھیں جو اُس کے اسی نقطۂ نظر کی غمازی کرتی ہیں۔ اس کی کتابوں کا نقص یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کتابیں اُس کے مخصوص مذہبی رجحانات کی ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے تنقیدی محاکموں سے عاری بھی ہیں وہ نہ تو نئے سائنسی طریق تحقیق سے واقف ہے اور نہ اسلام کے اصل اور بنیادی مآخذ ہی سے۔ اسی وجہ سے اس کی ساری کتابیں پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

سمرنوف نے ان مصنفین کا ذکر کرنے کے بعد روس کے سب سے بڑے مستشرق، بارتھولڈ کی تحقیقات و تصانیف کا بڑے مفصل انداز سے جائزہ لیا ہے۔ بارتھولڈ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے اور انقلاب روس کے بارہ سال بعد ۱۹۳۰ء میں مرے۔ اس طرح ان کو دو طرح کے نظام حکومت کو دیکھنے اور ان کے تحت زندگی بسر کرنے کا موقع ملا۔ بارتھولڈ کا اصل موضوع تحقیق، تاریخ اور بالخصوص مشرقی ممالک کی تاریخ ہے۔ ان کی تاریخی تصانیف خواہ وہ زار روس کے عہد کی ہوں خواہ انقلاب کے بعد کے عہد کی۔ آج بھی تاریخ دانوں کے حلقوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں اور ان کی شہرت ہے۔ مشرقی ممالک پر مسلسل کام کرنے کی وجہ سے ان کو اسلام سے بھی واقفیت ہوئی۔ اور انہوں نے اس واقفیت کے نتیجے میں اسلامیات پر بعض ایسی کتابیں لکھیں جو روس کی مطالعۂ علوم اسلامیہ کی دنیا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بقول سمرنوف، اگرچہ انہوں نے انقلاب روس کے بعد بارہ برسوں تک ایک محقق کی حیثیت سے بہت قابل قدر کارنامے انجام دئے۔ بالخصوص ان بارہ برسوں میں انہوں نے سوویت روس کی مشرقی ریاستوں کے عوام کی تاریخ پر تحقیقی کاموں کا انبار لگا دیا۔ اس کے باوجود اس زمانے میں بھی ان کو ایک بورژوا عالم سمجھا جاتا تھا اور

بھی انہیں مستشرقین کے بورژوا مکتب فکر کا ایک نمائندہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس مقام پر ہم بارتھولڈ کے تاریخی نظریا سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اسلام کے بارے میں ان کے نظریئے کو ایک جملہ میں بیان کرتے ہیں۔ اسلام نہ تو کسی مخصوص مبحث فکر کا حامل ہے اور نہ ہی سماجی رشتوں کا پابند۔ اپنے اسی نقطہ نظر کی وجہ سے وہ اسلام کے طبقاتی کردار کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔

اس زمانے میں اسلامی دنیا میں تجدد کی جو تحریکیں چل رہی تھیں بارتھولڈ نے ان کو بھی اپنے مطالعے کا موضوع بنایا ہے ان کا خیال ہے کہ ان تحریکوں کے عالم وجود میں آنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اسلام اور مسلم تمدن پر یورپی ممالک کی طرف سے پے درپے حملے ہو رہے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تحریکیں عہدِ وسطیٰ کے نظام زندگی سے بھی بغاوت کر رہی ہیں۔ کیونکہ ان کا مذہبی طبقہ عام مسلمانوں کو عہدِ وسطیٰ کے نظام زندگی کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ بارتھولڈ بھی انہی لوگوں کے ہم خیال ہیں۔ جو "پان اسلامی" تحریک کو امریکی اور برطانوی سامراجیوں کی سازش سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں بارتھولڈ کا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں طاقتیں اس تحریک کی درپردہ مدد اس لئے کر رہی ہیں تاکہ اس کے غالب آجانے کے بعد روس کے آس پاس کی اور وسطِ ایشیا کی مسلم ریاستوں کو اپنی نوآبادی بنا سکیں۔

انقلابِ روس سے کافی پہلے بارتھولڈ نے مسلمانوں کے فرقہ "مروانیوں" پر ایک کتاب لکھی تھی بارتھولڈ کے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے اس کتاب کا ذکر بہت کم کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مواد بارتھولڈ نے سمرنوف کے اُس مقالے سے حاصل کیا ہے جو سمرنوف نے شغنان کے اسماعیلیوں کے مذہبی معتقدات پر لکھا تھا۔ سمرنوف نے بارتھولڈ کی اس کتاب پر اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں بحث کی ہے۔ ہم بھی اس بحث کا خلاصہ اس کتاب کے دوسرے حصے کا جائزہ لیتے وقت پیش کریں گے۔

ان مستشرقین اور ان کی تحقیقات پر محاکمہ کرنے کے بعد سمرنوف نے ان اداروں کا مختصر مگر جامع جائزہ لیا ہے جو انیسویں صدی کے نصف آخر سے لے کر بیسویں صدی کی ابتدا تک روس میں اسلام شناسی کے لئے قائم کئے گئے تھے۔ جن کا مقصد یہ قرار دیا گیا تھا کہ شرقیات کے مطالعے کو مزید آگے بڑھایا جائے۔ لیکن چونکہ یہ ادارے "سرکاری" ضروریات کو پورا نہیں کرتے تھے اس لئے ۱۹۰۰ء میں حکومتِ وقت کی طرف سے اسلام شناسی کا ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ قرار دیا گیا کہ روسی سماج کو مشرقی ممالک کی روحانی زندگی اور مادی ضروریات سے واقف کرایا جائے۔ اور مشرقی ممالک اور روس کے درمیان بہتر تعلقات پیدا کئے جائیں۔ ۱۹۱۲ء میں اس ادارہ کی طرف سے اس کا پہلا ترجمان "میر اسلام" (دنیائے اسلام) کے نام سے شائع کیا گیا۔ جس کے ایڈیٹر بارتھولڈ تھے مگر بارتھولڈ کو محقق محض سمجھا گیا۔ اور ۱۹۱۳ء میں اس کی ادارت یونیورسٹی کے سپرد کی گئی اور اس میں پان اسلامیت پان ترکیت جیسے موضوعات پر مقالے شائع ہونا شروع ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں بارتھولڈ نے ایک دوسرا رسالہ ——

(بقیہ صفحہ ۵۷ پر)

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں، بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی، نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے موزوں۔ حسین کے پارچہ جات، شہر کی ہر بڑی دکان پر، دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی کا ایک ڈویژن
جوبلی انشورنس ہاؤس آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سہراب

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب
کے
ساتھ
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

پرویز

منکرِ حدیث ہے

یا

منکرِ قرآن

مولانا مدرار اللہ مدرار ۔ مردان

قسط ۸

تنقیدی جائزہ

حیات و رفع عیسیٰ علیہ السلام سے انکار ۶۱۔ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (۳/۵۵) خدا نے عیسیٰؑ سے کہہ دیا کہ تم اطمینان رکھو ان کی یہ سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تم اپنی طبعی موت مرو گے۔ میری طرف سے تمہارے مدارج بلند ہوں گے۔ (مفہوم القرآن ص ۱۳۲)

آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے:۔

"جب اللہ نے فرمایا میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں"

یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ناپاک منصوبے بنائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت سے اپنی طرف آسمان پر بلا لیا۔ جو قیامت کے قریب پھر آسمان سے دنیا میں تشریف لائیں گے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہی تمام اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آسمان پر اٹھائے گئے ہیں لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اور پرویز دونوں کو اس سے انکار ہے۔ آیت میں رَفَعَ کا لفظ آیا ہے۔ اور اس کے معنی بلند ہونے کے ہیں۔ یہ لفظ آسمانوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسے "رَفَعَ السَّمٰوٰتِ" یعنی اللہ نے آسمانوں کو بلند کیا اور یہی لفظ یوسف علیہ السلام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ "وَرَفَعَ اَبَوَیْہِ عَلَی الْعَرْشِ" یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو زمین سے اٹھا کر تخت پر بٹھایا۔ لیکن مرزا قادیانی کہتا ہے کہ اس سے رفع جسمانی مراد نہیں بلکہ رفع روحانی مراد ہے۔ اور اب پرویز بھی اس کی تقلید میں کہتا ہے کہ اس رفع سے مدارج کی بلندی مراد ہے۔ اس کے علاوہ مرزا قادیانی حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا قائل نہیں۔ اور پرویز بھی حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتا۔ اور ان کی طبعی موت اور وفات کا قائل ہے۔ اسی طرح دونوں قرآن و حدیث کی مخالفت اور تکذیب میں ہم زبان اور ہم نوا ہیں۔ ع

منتفق گردید رائے بوعلی با رائے من

عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے سے انکار ۶۲۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ط (۳/۵۹)

اب آگے عیسائیوں کے اس عقیدے کی طرف کہ عیسیٰؑ بن باپ پیدا ہوئے تھے لہٰذا وہ خدا کے بیٹے ہیں سو
ان سے کہو کہ یہ تمہارے ذہن کی تراشیدہ باتیں ہیں۔ خدا کے نزدیک عیسیٰؑ کی پیدائش کی بھی وہی کیفیت ہے
جو ہر آدمی کی پیدائش کی ہوتی ہے۔ انسان کے سلسلۂ پیدائش کی ابتدا مٹی کے واسطے سے ہوتی ہے اور وہ
خدا کے مقرر کردہ سکیم کے مطابق مختلف مراحل طے کرتا ہوا پیکرِ بشریت میں آجاتا ہے۔ اسی طرح عیسیٰؑ کی پیدائش
ہوئی تھی۔ (مفہوم القرآن ص ۱۳۳)

آیت کا اصل ترجمہ یہ ہے:

"خدا کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال ہو بہو آدمؑ کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کرکے کہہ دیا کہ ہو جا بس وہ ہوگیا"

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو صرف
باپ نہ تھا۔ اور میں نے پیدا کر دیا۔ تو کیا تعجب ہے اس سے حضرت آدمؑ کو تو ان سے پہلے پیدا کیا تھا۔ ان کے
ان کا باپ بھی نہ تھا۔ بلکہ ماں بھی نہ تھی مٹی سے پتلا بنایا اور کہہ دیا آدمؑ ہو جا تو وہ اسی وقت ہو گیا۔ پھر
مجھ پر صرف ماں سے پیدا کرنا کیا مشکل ہے کہ بغیر ماں اور باپ کے بھی پیدا کر دیا ہیں اگر صرف باپ نہ ہونے
کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ خدا کا بیٹا کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں تو حضرت آدمؑ بطریق اولیٰ اس کا استحقاق
رکھتے ہیں اور انہیں خود تم عیسائی بھی نہیں مانتے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کو اس وجہ سے بطریق اولیٰ ہٹانا چاہیے
کیونکہ ابنیت کے دعویٰ کا بطلان اور فساد یہاں اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔ یہاں ماں تو ہے۔ وہاں تو
نہ ماں تھی نہ باپ ہے سب کو دیکھ لو اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کا ظہور ہے کہ آدمؑ کو بغیر مرد و عورت کے پیدا کیا
اور حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا۔ اور عیسیٰؑ کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کیا۔ اور باقی
انسانوں کو مرد و عورت سے پیدا کیا۔

آیت میں حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم علیہم السلام دونوں کے متعلق بیان کئے گئے ہیں لیکن پرویز
صاحب [illegible] سے چھپا دیا۔ وہ اس حقیقت کو ماننے کے لئے
تیار نہیں کہ حضرت آدمؑ ماں باپ کے بغیر مٹی سے پیدا کئے گئے تھے بلکہ سرے سے ان کے وجود ہی کا منکر ہے
جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اور نہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ باپ کے بغیر ماں سے پیدا ہوئے
تھے۔ [illegible] کا بھوت اس کے سر پر سوار
ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس طرح دوسرے انسان ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بھی
اسی طریقے سے ہوئی [illegible]۔

غرض پرویز آدم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں قرآن کے صریح نصوص کو رد
کرتا ہے اور ان کی تکذیب اور انکار پر مصر ہے۔

آیت مباہلہ سے انکار: فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ (۳: ۶۱) ان سے کہہ دو کہ ہمیں اس معاملہ میں جھگڑنا نہیں چاہیئے۔ اگر تم دلائل و براہین اور علم و بصیرت کے باوجود حق کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے تو ایسی صورت میں ہمارے لئے یہی راہ کھلی ہے کہ ہم کنارہ کشی اختیار کر لیا کریں۔ یا اگر ہم اپنے آپ کو اپنے آدمیوں اور عورتوں کو لے کر تم سے الگ ہو جاؤ۔ پھر ہم ایک دوسرے کے معاشروں میں دخل نہ دیں (مفہوم القرآن)۔
آیت کا اصلی ترجمہ یہ ہے۔

"پس تو کہہ دے کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی جانوں کو بلا لیں پھر ہم زاری کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت ڈالیں۔"

آدم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو آیت ابھی گذر چکی ہے۔ یہ آیت اس کے بعد اور اس مضمون کا تتمہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اپنے پیغمبر حبیب پاک کو حکم دیا کہ اگر اس قدر واضح بیان کے بعد بھی عیسائی تم سے امر عیسیٰ کے بارے میں جھگڑے تو انہیں مباہلہ کی دعوت دے۔ مباہلہ کی تعریف یہ ہے کہ کسی امر متنازع فیہ میں فریقین کا یہ کہنا کہ ہم میں سے جو ناحق پر ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ مباہلہ میں ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کرتا ہے اور تضرع و الحاح کے بعد اسی کے فیصلے کا منتظر رہتا ہے۔ سنہ ہجری ۹ میں نجران کے عیسائیوں کا چودہ افراد پر مشتمل ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور الوہیت مسیح کے مسئلہ پر گفتگو کرتے رہے۔ اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا جیسا کہ ابھی کچھ تفصیل عرض کی گئی۔ لیکن عیسائی اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر کار حضور نے فرمان خداوندی کے تحت عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دلائی۔ کہ زبانی گفتگو تو بہت ہو چکی اب آؤ ہم تم اپنے خاص افراد کو لے کر اپنے پروردگار ہی سے تضرع و زاری کے ساتھ عرض کریں کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ آپ نے پھر اپنا اور اپنی اولاد دلبند سیدہ فاطمہ، سیدنا حضرت علی رض، حضرت حسن رض اور سیدنا حضرت حسین رض کو ہمراہ لے کر آپ تشریف لے آئے لیکن زبان تاریخ کا بیان ہے کہ عیسائیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی۔ اور وہ صلح پر آمادہ ہو گئے کیونکہ مباہلہ کرنے میں ان کو اپنی تباہی یقینی نظر آ رہی تھی۔

مگر پرویز نے آیت مباہلہ کی ساری حقیقت سے انکار کیا۔ اور اپنی طبع سازیوں سے اسے ایک اور رنگ دیا جو معنی انتہائی غلط ہونے کے ساتھ ساتھ مضحکہ خیز بھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ رسول اکرم نے عیسائیوں سے کہا کہ تم اپنے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ہم سے کنارہ کش ہو جاؤ اور ہم تم سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔ اور یہ پرویز کا حضور پر اور خود قرآن پر ایک عظیم افتراء اور بہتان ہے اور پھر "نَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ" کے شرم انگیز معنی کئے ہیں کہ "ہم ایک دوسرے کے معاشروں میں دخل نہ دیں" حالانکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "پھر ہم جھوٹوں پر خدا کی لعنت ڈالیں" لیکن پرویز کو قرآنی آیات کے شرم انگیز معنی کرتے شرم نہ آئی
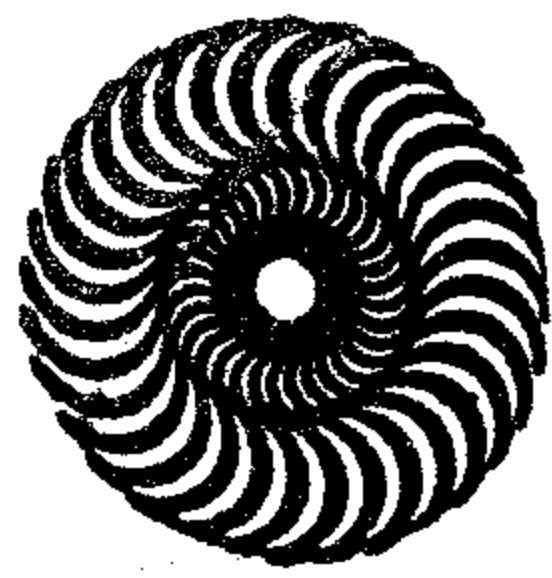
ڈاکٹر حافظ عبدالغفور قاری ۔ اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ دینیات ۔ اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

قسط ۲

حضرت اخوند درویزہؒ کے حالات اور تصانیف

آپ کے بزرگوں میں سب سے پہلا شخص جو لمغانی کی جانب سے ننگرہار آیا۔ وہ جیون[۱] بن جنتی تھا۔ آپ کے جدّ اعلیٰ جیون بن جنتی سفید ریش اور گھنی داڑھی والے بزرگ تھے۔ ساتھ ہی دولت مند اور سخی بھی تھے۔

۹۲۰ھ ۱۵۱۴ء میں جب یوسف زئی افغانوں نے سوات اور بونیر کے علاقے پر قبضہ کیا تو تقسیم میں شیخ سعدی کو جو اس وقت کی نہایت معزز، متقی اور باا ثر شخصیت تھی۔ شیخ ملی[۲] نے خود اراضی کی تقسیم کرتے ہوئے ان کی بزرگی کے پیش نظر تیس آدمیوں کا حصہ دیا[۳]۔

حضرت اخوند درویزہ کے والد شیخ گدائی نے اگرچہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی جس کی وجہ سے ان کا شمار علماء میں تو نہیں ہوتا تھا۔ مگر بزرگوں میں انہیں مقام ضرور حاصل تھا۔ نیز علم دوست ہونے کی وجہ سے علماء کی خاطر اور تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے[۴]۔

آپ کی والدہ ماجدہ بی بی قرارہ بھی نیک سیرت اور پاک باز عورت تھیں۔ ان سے فرض نماز تو چھوڑیئے ،

۱ۃ جیون کے سات بیٹے تھے ان میں سے ایک کا نام متہ تھا۔ اور متہ کے بیٹے کا نام احمد اور احمد کے بیٹے کا نام ورغان تھا۔ یہی ورغان علاقہ مہمند سے نکل کر علاقہ یوسف زئی میں آیا اور موضع پاپینی میں سکونت اختیار کی۔ ورغان کا بیٹا سعدی بھی (جو حضرت اخوند درویزہ کا دادا تھا) ان کے ساتھ آیا۔

۲ۃ آپ کا اصلی نام آدم ہے۔ اور والد کا نام ملی ہے۔ آپ شیخ ملی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تعلق قبیلہ دلہ زاک سے تھا۔ آپ انتہائی زاہد اور عابد شخص تھے۔ آپ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے یوسف زئیوں کو اکٹھا کر کے انہیں سوات میں حکمرانی عطا کی۔ اور پھر اراضی کی تقسیم کا وہ انتظام کیا کہ انگریزوں سے قبل پورے صوبہ سرحد میں اس پر عمل ہوتا رہا۔ آپ کے اس کارنامے پہ خوشحال خان خٹک نے کہا ہے کہ سوات میں دو چیزیں مشہور ہیں
(ایک اخون درویزہ کا مخزن اور دوسرا شیخ ملی کا دفتر)

۳ۃ تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۱۰۷، ۱۰۸ ۴ۃ ارشاد الطالبین ص ۳۲۰

نماز تہجد بھی بلوغت کے بعد کبھی قضا نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان کے والد (حضرت اخوند ویزہ کے نانا) قائم اللیل تھے۔ وہ جب بھی رات کے وقت تہجد کے لئے اٹھتے تو اپنی بیٹی قرارہ کو بھی نماز تہجد کے لئے اٹھاتے[1]

تعلیم و تربیت | ایسے نیک والدین کی اولاد بھی نیک ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت اخوند ویزہ بچپن ہی سے زہد اور ریاضت کی طرف مائل تھے۔ آپ بچپن ہی میں اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خشیت الٰہی کی وجہ سے رویا کرتے تھے۔ اور آپ کی والدہ آپ کو بغیر وجہ بتائے رونے پر مارا کرتی تھی۔ مگر آپ عمر کی ایسی حد میں تھے کہ خود بھی وجہ گریہ معلوم نہ کرسکتے[2]

اس کے بعد آپ کے دل میں علم کا شوق پیدا ہوا۔ اسی دوران آپ ایک دن بونیر میں اپنے دوستوں کے ہمراہ شکار کی غرض سے کوہ جدھر کے قریب پہنچے کہ آپ کی طرف دو سفید ریش شخص عصا ہاتھ میں لئے نورانی چہرے والے آئے اور انہوں نے کہا "احسن الخالقین و رب العالمین" اور پھر غائب ہوگئے۔ آپ نے یہ سنا اور اپنے دل میں دہراتے ہوئے اپنی والدہ کو یہ حال سنایا۔ چنانچہ آپ کی والدہ نے تھوڑا سا میوہ (شیرینی) دے کر آپ کو مولانا مصر احمد کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ اگر تم نے طلب علم میں کوشش کی تو تم سے اور اپنے زمانے کے اکثر علماء سے سبقت لے جاؤ گے۔ لہٰذا آپ حضرت اخوند ویزہ کے پہلے استاد مقرر ہوئے[3]

استاد صاحب نے پہلے دن آپ کو تختی پر حروف لکھائے۔ ظہر کا وقت تھا اور مغرب تک آپ نے لکھائی کے علاوہ اس کو زبانی بھی یاد کر لیا۔ قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ روزانہ دو سورتیں یاد کرلیتے۔ اور ایک سال پورا ہونے تک آپ نے قرآن کریم مکمل حفظ کر لیا۔ اور کچھ ابتدائی کتابیں بھی پڑھ لیں۔ آپ نے ملا مصر احمد صاحب کے علاوہ جن نامی گرامی علماء سے علم کی پیاس بجھائی۔ ان میں ملا زنگی اور ملا سنجر پاپینی بھی شامل ہیں اس کے بعد آپ اپنے مرشد[4] کی طرح مزید علم سے بہرہ ور ہونے کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے[5]

بیعت و خلافت | چونکہ بچپن ہی سے آپ میں خوف الٰہی غالب تھا۔ لیکن علم ظاہری سے فراغت کے بعد معرفت کیلئے کوشاں ہوئے تو بے قراری اور بے چینی مزید بڑھ گئی۔ چنانچہ اپنے استاد ملا سنجر کو یہ واقعات سنائے۔ جو آپ کو سید علی ترمذی المعروف پیر بابا کی خدمت میں لائے۔ لہٰذا حضرت پیر بابا

---

[1] ارشاد الطالبین ص ۱۲۰۔ [2] تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۱۱۹ [3] ایضاً ص ۱۲۰ [4] مرشد سے مراد وہ پیر کامل ہے جو طب روحانی سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ اور ارشاد یعنی صراط مستقیم کی جانب راہ نمائی کرے (ماخوذ التکشف ص ۳۲۵) [5] تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۱۲۱۔

آپ کو کچھ موعظت اور نصیحت کی باتیں فرمائیں اور ایام بیض، صلوٰۃ اوابین اور پانچوں وقت کی نماز کو با جماعت ادا کرنا وغیرہ کا حکم دیا۔ اگرچہ آپ ان معاملات اور عبادات میں پہلے سے ثابت قدم تھے۔ ایک روز انہوں نے ظہر کے وقت آپ کو بلایا اور فرمایا کہ:۔

"مجھے خوب اچھی طرح غور کر کے بتاؤ کہ کون سے وقت اگر تمہیں ذکر کی تلقین کی جائے تو وہ تمہارے دل کی گہرائیوں میں اتر سکے گا" کیونکہ حضرت پیر بابا آپ کی اہلیت اور قابلیت کے معترف ہو چکے تھے۔ آپ نے خوب غور و فکر کے بعد عرض کیا کہ بعد نماز عشا مناسب ہو گا۔[۱]

حضرت اخوند درویزہ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنے پیر و مرشد کی جانب سے پانچ خانوادوں سلسلہ کبرویہ، چشتیہ، عزیزیہ، سہروردیہ، شطاریہ اور ناجیہ علاجیہ میں ماذون ہوا۔ اور یوں پھر تھوڑی ہی مدت میں آپ نے خدا کے فضل و کرم اور پیر و مرشد کی توجہ سے علم باطنی میں نمایاں ترقی کی۔ حضرت پیر بابا نے آپ کی روحانی کیفیت کو جب دیکھا تو وہ بے حد متاثر ہوئے اور آپ کو رسالہ "جام جہاں نما" عنایت فرمایا اور پھر آپ اس میں لکھی ہوئی تعلیمات پر تدبر و تفکر کرتے۔[۲]

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے ظاہری و باطنی علم کی بنا پر علاقے کی گمراہیوں کو دور کرنے اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اور اس سلسلے میں زبان اور قلم کا خوب استعمال کیا ہے۔

وفات: آپ کی وفات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بعض عیسائیوں نے تربوز میں زہر دیا تھا اور اسی سے آپ شہید ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ انتقال باحتراق الشمس واقع ہوا ہے۔[۳] آپ نے اپنی عمر کا آخری حصہ علاقہ یوسفزئی سے نکل کر پشاور میں گذارا۔ اور ۱۰۴۸ھ ۱۶۳۸ء میں یہیں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۰۹ برس کی تھی۔[۴]

مزار: آپ کا مزار پشاور سے جنوب مشرق کی طرف ایک میل کے فاصلے پر ہزار خوانی روڈ پر واقع ہے مزار کے گرد میلوں میں پھیلا ہوا ایک قبرستان ہے جو آپ کے نام سے موسوم ہے۔ ہزار خوانی کے خان و خوانین اور بزرگ علماء اور زعماء سے راقم الحروف نے ملاقات کی ہے جنہوں نے قبرستان کے متعلق یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ تقریباً پانچسو ایکڑ سے زیادہ زمین قبرستان کے لئے وقف ہے جس میں ہر خاص و عام کو دفن کرنے کی اجازت ہے۔

پشاور میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جو بچہ غبی یا کند ذہن ہو یا جسے قرآن حفظ نہ ہوتا ہو وہ آپ کے مزار پر جا کر تین، پانچ یا سات مرتبہ بروز جمعرات قرآن شریف پڑھے اللہ کے فضل و کرم سے اس کی زبان رواں ہو جاتی ہے۔[۵]

۱؎ تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۱۲۲ ۲؎ ایضاً ۱۲۴ ۱۲۹ ۳؎ اولیائے قصور ص ۲۸۶ ڈاکٹر محمد شفیع ۴؎ رود کوثر ص ۳۰ پروفیسر محمد اکرم ۵؎ تذکرہ مشائخ سرحد ص ۳۸

تصانیف حضرت اخوند درویزہ | حضرت اخوند درویزہؒ نہ صرف شعلہ بیان اور فصیح اللسان مقرر تھے بلکہ اپنے عہد کے ایک بلند پایہ صاحبِ تصنیف و تالیف بھی تھے۔ آپ نے پشتو، ہندی، عربی اور فارسی میں مختلف کتابیں لکھیں جس سے پشتو ادب کو بالخصوص فائدہ پہنچا۔ آپ نے پشتو زبان کی ارتقا میں غیر معمولی حصہ لیا۔ جس کی وجہ سے آپ کا نام پشتو زبان کے خدمت گذاروں میں ہمیشہ عظمت سے لیا جائے گا۔ اور تقریباً ہر پشتون آپ کے نام نامی اسم گرامی سے متعارف ہے۔ اور یوں آپ ادب کے محسنین میں شمار ہوتے ہیں[1]

آپ کے مخالف بایزید انصاریؒ[2] کے متعلق صرف چار کتابوں کی تصنیف بیان ہوتی ہے جب کہ آپ کے متعلق فرانسیسی مستشرق "دی ارسنتر" نے آپ کی تالیفات تقریباً پچاس بیان کی ہیں[3] جن میں سے مشہور یہ ہیں۔

۱۔ مخزن الاسلام | یہ کتاب "مخزن درویزہ" - "مخزن پشتو" اور "مخزن اخون" کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ اور نیم عروضی پشتو میں لکھی گئی ہے[4] کتاب مخزنِ اسلام مسجع اور مقفی ہے۔ یہ ایک کتاب نہیں بلکہ کئی کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا ایک حصہ "منزل" - دوسرا "الف نامہ" اور تیسرا "کلمات الوفیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اور حضرت حاجی بہادر کوہاٹی المتوفی ۱۰۹۹ھ نے "تبیان الحقائق" کے نام سے اس کی شرح کی ہے۔ اس کتاب میں آپ کی اولاد نے خصوصاً آپ کی مدد کی[5]

بہر حال مخزن کا مقصد افغان قوم کو اسلامی علوم سے روشناس کرنا ہے۔ یہ افغان مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس لئے دو تین سو سال گذر جانے کے بعد بھی اس کے ہزارہا نسخے لکھے گئے۔ مطبوعہ کے علاوہ اس کتاب کے مخطوطات بھی پشاور یونیورسٹی کے ایم اے پشتو کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ پشتو اکیڈمی نے فروری ۱۹۶۹ء میں مخزن کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا۔

اس کتاب کی وجہ تالیف آپ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ

" الحال اکثر معتقدات اہلِ بدعت درمیان افغانان مشہور آمدہ۔ بواسطہ کثرت شیخان پیران متمردان آدم صورت و شیطان سیرت و بسبب ازدحام با تمام علمائے دنیاوی کہ دین را ایشان بدنیا طلبیدہ اند۔ و حق پوشیدن خیال کردہ اند" [6] (نعوذ باللہ)

ترجمہ۔ آج کل اکثر اہلِ بدعت کے معتقدات افغانوں کے درمیان مشہور و مروج ہیں۔ جو آدم صورت، شیطان سیرت

---

[1] رود کوثر ص ۳۷ [2] بایزید انصاری المعروف پیر روشان و پیر تاریک کے حالات زندگی کے متعلق الحق کے قارئین کو عنقریب مستفید کیا جائے گا [3] د افغانستان فرمیالے ص ۱۸ از عبدالرؤف بینوا۔ [4] ص ۱۹ ایضاً [5] روحانی رابطہ ص ۵۷۵ (اس صفحے پر کتاب کے مصنف عبدالحلیم اثر نے آپکی اولاد نے لکھنے میں جو آپکی مدد کی صفحات کا شمار بھی تفصیل سے دیا ہے [6] مخزن ص ۲۳، ۲۴

اور سرکش شیخوں اور پیروں کے واسطے سے پھیلے ہوئے ہیں اور ان مسائل کی کثرت کا سبب وہ دنیا دار علماء بھی ہیں کہ جو دنیا کو دین کے عوض حاصل کر رہے ہیں اور حق کو چھپانے میں اپنی مصلحت سمجھتے ہیں۔ (اللہ کی پناہ)

یہ کتاب عقائد و عبادات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آٹھ ابواب ہیں۔ اس کا پہلا باب تصوف پر ہے اس کا دوسرا باب واجبات نماز پر ہے۔ تیسرا باب نماز کی سنتوں پر اور چوتھا باب مستحبات کے متعلق ہے جب کہ پانچواں باب نماز میں حرام چیزوں اور چھٹا باب مکروہات نماز کا ہے۔ ساتواں باب مباح نماز اور آٹھواں باب مفسدات نماز پر مشتمل ہیں۔

نیز اس کتاب میں چار دیگر مندرجہ ذیل کتابیں بھی شامل ہیں[1]

۱۔ خلاصہ کیدانی۔

یہ علم فقہ کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں نماز کے فقہی مسائل کا بیان ہے۔ اور اس کتاب کے متعلق فارسی کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

گر نہ دانی خلاصۂ کیدانی   تو طریق نماز کے دانی

اگر تو خلاصۂ کیدانی کو نہیں جانتا تو نماز پڑھنے کا طریقہ کیسے جانے گا۔

۲۔ رسالۂ قرأت

یہ رسالہ حضرت اخوند درویزہ نے خود مرتب کیا ہے۔ اس میں انہوں نے الفاظ کے مخارج کو پشتو زبان میں آسانی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور عربی زبان کے تلفظ اور صحیح مخارج ادا کرنے کے قواعد بیان کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فن علم قرأت میں بھی آپ کو کافی دسترس حاصل تھی۔ ان کی یہ عظیم کوشش ادبی لحاظ سے بہت بڑی قیمتی ہے۔ اور افغان قوم کے لئے ایک عظیم ورثہ ہے۔

۳۔ کتاب العقائد[2]

یہ کتاب حضرت ابوحفص نجم الدین نسفی[3] (المتوفی ۵۳۷ھ۔ ۱۱۴۲ء) کی ہے۔ یہ علم کلام کے عقائد کے لحاظ سے مشہور کتاب ہے۔ اور یہ اسلامی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

---

[1] دیباچہ مخزن   [2] علامہ سعد الدین التفتازانی المتوفی ۷۹۲ھ۔ ۱۳۸۷ء نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے اور پھر مختلف علماء شرح در شرح لکھتے گئے۔ جو علماء کے نزدیک زیر بحث رہے۔ اگرچہ تراجم کرنے سے بھی آسان نہ ہو سکی۔ علامہ تفتازانی اپنے زمانے کے متبحر عالم تھے۔ مطول شرح تلخیص ان کی مشہور تصنیف ہے۔ کشاف وغیرہ پر بھی حاشیے لکھے ہیں۔ (لباب المعارف العلمیۃ) [3] نسف ماوراء النہر میں ایک گاؤں کا نام ہے جو علامہ کا مولد ہے اور ایک مشہور و نامور عالم ہیں عقائد نسفیہ میں اس نے اشاعرہ کے مسلمہ مسائل عقائد نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ لکھا ہے۔

شاہ بلیغ الدین

عیادت

قسطنطنیہ کی مہم کے دن تھے۔ حضرت ایوب انصاریؓ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ لیکن اس مہم میں خاص طور پر شریک ہوئے کہ اللہ کے رسولؐ نے اس جہاد میں شرکت کرنے والوں کے لئے دعائے مغفرت کی دعا فرمائی تھی۔ لڑائی کے زمانے میں ایک دن مجاہدوں نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو کھانے پر بلایا۔ وہ نفل روزہ سے تھے لیکن دوستوں نے دعوت دی تو شریک ہو گئے۔ فرمایا کہ —— نفل روزہ ہے مگر تمہارے اصرار پر توڑتا ہوں پھر اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث انہوں نے سنائی مطلب کچھ یوں ہے کہ —— ہر مسلمان پر ہر مسلمان کے چھ حق ہیں۔ لوگوں نے پوچھا —— وہ کون کون سے؟ فرمایا ایک یہ کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرے دوسرا یہ کہ چھینک کا جواب دے۔ تیسرا یہ کہ دعوت قبول کرے۔ چوتھا حق یہ کہ بیمار کی مزاج پرسی کرے پانچواں حق ہے کوئی مشورہ مانگے تو بہتر سے بہتر مشورہ دے۔ اور چھٹا حق ہے کوئی مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔

مزاج پرسی یا عیادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا —— جب آدمی اپنے بیمار بھائی سے ملنے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے —— تو بھی اچھا تیرا چلنا پھرنا بھی اچھا! پھر اسے بشارت ملتی ہے کہ تو نے جنت میں اپنا ٹھکانا بنا لیا۔

اسلام کا مقصد ایک ایسی سوسائٹی بنانا ہے جس میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھی اور دکھ درد کے شریک ہوں۔ معاشرے کا ہر فرد یہ سمجھے کہ اس کا فائدہ دوسروں کے فائدے میں ہے۔ جو دوسروں کے لئے کنواں کھودتا ہے خود ہی اس میں گرتا ہے اسی طرح جو دوسروں کا بھلا چاہتا ہے دوسرے اس کا بھلا چاہتے ہیں۔

میل ملاپ ایک خوبی ہے کسی سوسائٹی کے افراد میں اگر یہ خوبی ہو تو اس سوسائٹی میں سماجی برائیاں بہت کم ہو جاتی ہیں۔ بزرگوں، رشتہ داروں۔ دوستوں اور اچھے لوگوں، عالموں، پرہیز گاروں سے ملتے رہنے میں بڑے فائدے ہیں۔ میل ملاپ ہی کی ایک صورت تیمار داری ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیمار کو دیکھنے تشریف لے جاتے تو اس کے پاس بیٹھتے۔ زاد المعاد میں ہے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے۔ ترمذی

میں ہے اس کی صحت کے لئے دعا فرماتے۔ اس سے دل خوش کن باتیں کرتے۔ مسند فردوس میں ہے تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے آتے کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھنا تکلیف دینا ہے۔

ملنے جلنے اور مزاج پرسی کرنے سے آدمی نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے قریب ہو جاتا ہے، ایک دوسر کی مدد کے قابل ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بھی شامل ہوتی ہے۔ بے غرض خدمت ایک نہایت اچھے اور شریف انسان کی صفت ہوتی ہے۔ صحابہ کرام میں یہ صفت موجود تھی کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حسن معاشرت پر خود عمل پیرا تھے اور صحابہ کرام کو اکثر اس بات کی تلقین فرماتے تھے۔

ایک ارشاد نبوی کا مطلب ہے کہ ــــ تم آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہو اس لئے ایک دوسر کے ساتھ وہی سلوک کرو جو بھائیوں میں ہونا چاہئے۔

زاد المعاد میں ہے صحابہ کرام میں سے جو بیمار ہو جاتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے جاتے۔ صحیح مسلم میں ہے مومن جب اپنے بھائی کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو واپس آنے تک وہ جنت کے باغ میں رہتا ہے۔

مریض کی عیادت کے لئے کوئی دن یا وقت مقرر نہ تھا۔ دن رات جب بھی موقع ہوتا آپ عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اس نیک کام میں اس بات کی تمیز بھی نہیں تھی کہ بیمار مسلمان ہے یا مشرک۔ بچے بیمار پڑ جاتے تو آپ ان کی مزاج پرسی کے لئے بھی جاتے۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ــــ مسلمان کی ہر تکلیف پر اللہ تعالیٰ اس کا ثواب عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھ جائے تو ایک نہ ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے اس لئے بیماری سے جھنجلانے اور یہ کہنے کا حکم نہیں کہ ــــ روگ تو قبر ہی میں لے جائے گا۔ اسی لئے اللہ کے رسولؐ عیادت کے دوران میں بیمار سے دعا کراتے۔ ارشاد تھا ــــ بیمار کی دعا فرشتوں کی دعا بن جاتی ہے +

مولانا عبدالقیوم حقانی

درزیوں کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ارباب علم و فضل کا تذکرہ!

(علامہ سمعانی سے ایک ملاقات)

۳۰ رجون ۸۵ء - آج پھر حسب سابق شوق کے پروں سے اڑکر، دل کی عقیدت اور اخلاص و محبت کا نذرانہ لے کر علامہ سمعانیؒ کی بارگاہ سعادت میں رسائی حاصل کی۔ فیضِ صحبت اور گراں قدر ارشادات کی سماعت کا شرف حاصل ہوا۔ اس مرتبہ بھی حسب سابق اس بے بضاعت اور سیاہ کار کو ان سے خصوصی نیاز اور اپنی بساط کی حد تک گہرا نیاز حاصل رہا۔

از راہِ محبت و قدر افزائی پہلی ہی ملاقات میں بغیر کسی تکلف اور تصنع کے صداقت اور اخلاص کے ساتھ مجھے گوہر مقصود عنایت فرماتے ہوئے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کتاب الانساب کا ورق نمبر ۲۱۴ کھول کر سامنے رکھ دیا۔ اسے حسنِ اتفاق کہیئے یا علامہ سمعانیؒ کی کرامت اور ہے درحقیقت فیاضِ ازل کی عنایت کہ اس مرتبہ ورق گردانی کی صبر آزما زحمت سے بھی محفوظ رہا۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ سمعانیؒ سے ایک بار زیارت و ملاقات اور استفادہ کے بعد شاید ہی کوئی نماز ایسی ہو جس کے بعد ان کی مغفرت اور رفع درجات کی دعا نہ کی ہو۔ اور شاید ہی کوئی دعا ایسی ہو جس میں خدا کے حضور علامہ سمعانیؒ سے مزید استفادہ اور حصولِ فیض کی درخواست شامل نہ ہو۔

خدا تعالیٰ کے بے انتہا فضل، اور بے پایاں رحمت کے قربان جائیے جس کے صدقے خدا جانے کتنے کشتگانِ یاس، بارانِ رحمت کے چھینٹوں سے زندہ ہوتے بقولِ مولانا محمد علی جوہرؔ ؎

اک شہر آرزو یہ بھی ہونا پڑا اخجل
ہل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

حاضرِ خدمت ہوتے ہی دیکھا کہ علامہ سمعانیؒ نے طبقہ خیاط (درزیوں) کے ارباب علم و فضل کی محفل

جاتے ہوتے ہیں۔ ان کی مجلس میں اس طبقہ کے مشاہیر علماء رونق افروز ہیں۔ ایک ایسا پاکیزہ منظر پیش نظر ہے جو میری معلومات کی حد تک تاریخ علم وفضل میں بس اپنی مثال آپ ہی تھا۔ خدا جزائے خیر دے علامہ سمعانی کو کہ انہوں نے کتاب الانساب کے ذریعہ مجھے اس نورانی وروحانی مجلس علم وافادہ میں حاضری کا اور ارباب علم وفضل سے فیض یاب ہونے کا موقع بخشا۔ میں نے بھی اسے غنیمت جانا کہ اپنا نامہ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید ان بزرگوں کی معنوی ہمنشینی ذریعہ نجات بن جائے ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ایم
در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ایم

ورق کی شہ سرخی اور گفتگو کا عنوان تھا "خیاط" (درزی علماء وفضلاء) اجرت اور مزدوری پر کپڑوں کی سلائی کرنے والے کو عربی میں خیاط (درزی) کہتے ہیں۔ اسلام نے بغیر کسی نسلی لسانی اور پیشہ ورانہ امتیاز کے درزیوں کے اس طبقہ کو بھی علم نبوت کی لازوال دولت سے مالا مال کیا۔ فیاض ازل کی اس قدر بے پناہ اور بے مثال سخاوت کے صدقے درزیوں کے طبقہ اور پیشہ میں بڑے بڑے علماء عظیم فقہا اور ان گنت مفسرین اور محدثین پیدا ہوئے۔

جنہوں نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت، تجربہ وکمال، علمی وجاہت، روحانی جلالت قدر اور عالمانہ شکوہ وجلال سے اپنے لئے نہ تو کوٹھیوں کے نرم اور گداز بستروں پر سامان استراحت فراہم کیا اور نہ نکھرے ہوئے اور نکہت بیز پھولوں کے معطر ہار پہنے اور نہ لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں میں تفریحی زندگی اختیار کی اور نہ انہوں نے کبھی حکومت کی چشم وابرو پر نگاہ رکھ کر اپنے اعزاز ورتبہ میں اضافہ کرنے کی کوشش کی بلکہ انہوں نے خدمت دین، اشاعت علم، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی راہ اختیار کی اور ساری زندگی کانٹوں کی سیج پر لیٹتے رہے۔ راتوں کو اپنی نیند حرام کرتے اور سب سے بے نیاز ہو کر ایک خدا کے حضور نیازمندی کا اظہار کرتے۔ اور اس دنیا کے دارالامتحان کے آزمائش کے ہر موڑ پر اپنے ہر بن مو کو چنگاریوں اور شعلوں کی نذر کرتے رہے۔ مگر ناشکری کا کلمہ زبان پر نہ آنے دیا۔ ہر حال میں قانع اور تحصیل واشاعت علم پر شاداں وفرحاں رہے۔

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ درزیوں کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے علمی وروحانی مربیوں، ارباب کمال اور صاحبان علم وفضل نے نہ صرف یہ کہ اپنے حلقۂ ارادت، مستفیدین ومتعلقین، تلامذہ اور امت کے بیشتر افراد کے ظاہری وباطنی کثافتوں کو اپنے علم ومعرفت کے آب مصفّا سے دھو کر ختم کیا بلکہ انسانیت کو علم ودیانت کا صاف وشفاف لباس عطا فرمایا۔ جسم انسان کے لئے علم وفضل کے اعلیٰ قباؤں

کی سلائی کی اور ظلم وجہالت کو علم و تقویٰ کی پوشاک پہنائی ۔ علامہ سمعانی نے اسی صفحہ پہ درزیوں کی نسل اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے ارباب علم وفضل کی ایک فہرست مرتب فرمائی ہے ۔

سرفہرست علامہ عبداللہ صالح بن راشد خیاط (درزی) کا تذکرہ ہے ۔ موصوف بصرہ کے رہنے والے ہیں ۔ امام مالک اور امام حسن بصری سے علوم نبوت کی تحصیل کی ۔ اور ان سے روایت بھی کرتے رہے، بہت بڑے عالم، صاحب علم وفضل متقی، صاحب ورع، پرہیزگار اور بزرگ انسان تھے ۔ خدمت دین اور اشاعت علم ان کا مشغلہ رہا ۔ پوری زندگی اس کے لئے وقف کردی ۔ اپنا پیشہ، کاروبار اور فقر وفاقہ، غربت یا افلاس ان کے لئے خدمت دین اور اشاعت علم کی راہ میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہ بن سکے ۔ آپ کے تلامذہ میں حرص بن عمارہ نیوم زیادہ مشہور ہیں جنہیں آپ کے حلقۂ مستفیدین میں علامہ سمعانیؒ نے اولین جگہ دی ہے ۔

علامہ ابو سلیمان خیاط (درزی) حجازی اور تابعی ہیں ۔ حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد رشید ہیں نسل اور پیشہ کے لحاظ سے خیاط (درزی) تھے ۔ مگر فضل وکمال کے لحاظ سے قرآنی علوم کے حافظ و ماہر تھے ۔ اور علم حدیث میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے ۔

صالح بن راشد خیاط اور ابو سلیمان خیاط دونوں اپنے اسلاف کی طرح تحصیل علم اور پھر خدمت دین واشاعت علم کے دوران گرم وسرد حالات مصائب وآلام صبر آزما واقعات اور متنوع امتحانات سے گذرتے رہے مگر بہر حال میں ان کے دل اطمینان سے اپنے مطلوب یعنی تحصیل واشاعت علم میں مشغول رہا اور سخت سے سخت حوصلہ فرسا حوادث ونوازل بھی ان کے دلوں میں علم کی جانب کوئی تفرقہ پیدا نہ کر سکے ۔ اگرچہ بعض حالات میں معاش کی ضرورت اور اہل وعیال کی پرورش کی ذمہ داریوں نے انہیں اپنے پیشہ ورانہ کام (کپڑوں کی کتر بیونت اور سلائی) میں مصروف رکھا مگر قلب ان کا اس حالت میں بھی علم کی جانب مشغول رہا ۔

ماسوا سے بے نیازی اور علم کی طرف مکمل توجہ رہی ۔ دست بکار دل بیار کا پورا مظہر تھے ان کی ساری زندگی گویا

اَلْعِشْقُ نَارٌ تَحْرِقُ مَا سِوَی الْمَطْلُوْب — عشق ایک ایسی آگ ہے جو محبوب کے ماسوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے

کا جلوہ تھی ۔ علامہ ابو نافع خیاط کا تذکرہ درزیوں کی اس فہرست میں علامہ سمعانیؒ نے تیسرے نمبر پر کیا ہے موصوف تابعین سے ہیں ۔ علوم نبوت کی تحصیل وتکمیل امام دار الہجرۃ امام مالک، علامہ سالم خیاط، حضرت حسن بصری اور محمد بن سیرین سے کی ۔ اور امام مالک سے روایت بھی کرتے رہے زہد وورع، ذوق مطالعہ، شوق عبادت اشاعت علم اور دینی خدمات کے لحاظ سے اپنے اقران میں ممتاز اور ہمعصر علماء میں تعظیم، قدر ومنزلت اور

اور عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

علامہ عمران خیاطؒ بھی نسل اور پیشہ کے لحاظ سے درزی ہیں۔ مگر فضل و کمال اور ازلی عطا و نوال کے لحاظ سے علوم نبوت کے وارث اور مشاہیر ارباب علم و فضل سے ہیں۔ علامہ ابراہیم نخعی اور علامہ زید بن وہب جیسے یگانۂ روزگار شخصیات سے قرآن و حدیث کے علوم کی تحصیل کی۔ اس دوران ہر دو حضرات کے حلقۂ تلامذہ میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ اور پھر مدت العمر درس و تدریس، خدمت دین اور اشاعت علم میں مصروف رہے۔ عبداللہ بن عون جیسے صاحب فضل و کمال کو آپ سے نسبت تلمذ پر فخر حاصل رہا۔ آپ کی تدریسی، تعلیمی اور تبلیغی زندگی بھی انقلابی ہے۔ آپ کے تبلیغی مساعی، مواعظ حسنہ اور تدریسی حلقے حد درجہ پر تاثیر رہے۔ آپ کی پُر تاثیر گفتگو سے بگڑے ہوئے سنورے۔ کئی بدکردار باکردار بنے۔ آپ کی زندگی کی تمام کارگذاری، آپ کی زیرکی و دانائی اور علم پروری و علم دوستی کا بیّن ثبوت ہے۔

ابوالحسن علی بن محمد بن عیسیٰ خیاطؒ (درزی) مشہور عالم، متقی، پرہیزگار اور بزرگ انسان تھے۔ آپ کا تعلق مصر سے ہے۔ ابن العسرار کی کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ علم و فضل، علم دوستی اور علم پروری میں اپنے زمانہ کی آپ ہی مثال تھے۔

محمد بن میمون خیاطؒ (درزی) کو امام سفیان بن عیینہ اور امام ابوسعید جوینی ہاشم کے موالی سے ہیں تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ دونوں سے علم حدیث کی روایت کرتے ہیں تحصیل علم کے بعد زندگی بھر اشاعت علم اور درس و تدریس میں مصروف رہے علمی ذوق غالب رہا۔ طالبانِ علوم نبوت پروانہ وار آپ کے حلقۂ درس میں آتے علوم نبوت کی تحصیل کرتے۔ امام ابوالحسن ساجی اور علامہ ابن صاعد جیسے اکابر علم و فضل کو آپ سے نسبت تلمذ پر فخر ہے۔

احمد بن موسیٰ بن ابی عمران خیاطؒ (درزی) بڑے عالم، کامیاب معلّم اور وعظ و تدریس میں بے حد مقبول تھے۔ ان کو معدّل کا مقام حاصل تھا۔ یعنی اسلامی عدالت میں گواہوں کی عدالت و ثقاہت کا فیصلے دیتے تھے۔ جس کے بعد گواہ عدالت میں شہادت دے سکتے تھے۔ آپ کے اساتذہ میں سورت بن حکم، محمد بن عباد اور عبداللہ بن عبدالوہاب زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا۔ محمد بن مخلدؒ جیسے اساطین علم نے آپ کے حلقۂ درس میں شرکت کی سعادت کو اپنے لئے بہت بڑا شرف جانا۔ اور آپ سے تلمذ و روایت کی نسبت حاصل کی۔

علامہ سمعانیؒ نے درزیوں کی اس طویل فہرست میں بیسیوں علماء، فضلاء، محدثین و مفسرین ارباب علم و فضل اور ساطین علم کا تذکرہ کیا ہے۔ جو نسل یا پیشہ کے لحاظ سے درزی تھے مگر فضل و کمال کے لحاظ سے

انبیاء کے ورثا تھے۔ کہ علوم نبوت کی دولت سے مالامال تھے۔

اسی صفحہ پر علامہ سمعانیؒ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

وَجَمَاعَةٌ مِن شُيُوخِنَا — ہمارے شیوخ اور اساتذہ کی ایک جماعت
يَعملُون عَمَل الخِيَاطه — سلائی (درزیوں) کا کام کرتی تھی۔

دین اسلام کی فیاضی، علوم نبوت کی عمومیت، فیاض ازل کی عطا و بخشش اور علم وحی کی وسعت کا اس سے اندازہ لگائیے کہ خیاطت (سلائی) کا کام کرنے والے درزیوں کو تحصیل و اشاعت علم اور تعلیمات نبوت میں کس قدر دسترس اور کیا کیا کمالات حاصل تھے۔ علامہ سمعانیؒ کی دی ہوئی طویل فہرست سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ گلشن علوم نبوت کی بزم علم و فضل میں بعض درزی علماء کو بھی گل سرسبد اور میر مجلس کی صدر نشینی حاصل رہی ہے آج ان ہی کی شب بیداریاں اور علمی کاوشیں کروڑہا مسلمانوں کی تمناؤں کا مرغزار، آرزوؤں کا گلزار اور خواہشوں کا سبزہ زار ہیں۔ ان ہی کا مکتب، ان ہی کی تعلیمات، ان ہی کی سیرت و اخلاق اور ان ہی کی تاریخ و تذکرہ، نئی نسل کے جذبات کا خمکدہ ان کے احساسات کا گل کدہ اور تخیلات کا عشرت کدہ ہے اور موجب حیرت و استعجاب ہے یہ امر کہ انہوں نے محنت و مزدوری، مشقت اور معاشی ضروریات کی تکمیل، اپنے پیشہ خیاطت (سلائی) متنوع مشاغل اور ہمہ جہتی رنگا رنگی کے باوجود ہر حال میں گلشن علوم نبوت کو سرسبز و شاداب رکھا ■

بقیہ علوم اسلامیہ اور روس

"مسلمانسکی میر" (مسلم دنیا) کے نام سے نکالنا شروع کیا۔ اس رسالہ نے "میر اسلام" کے تمام علمی کاموں کو الٹ کر رکھ دیا۔ اس کے علاوہ بھی متعدد رسالے اس زمانے میں شائع ہوتے تھے جو اسلام شناسی کے لئے وقف تھے لیکن ان سب سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ سب رسالے ایک دوسرے کے ہم خیال و ہم آواز تھے۔ اس باب کے آخر میں سمرنوف نے "بورژوا" مصنفین کی کتابوں کی اہمیت کا یہ کہہ کر اعتراف کیا ہے کہ ان کتابوں پر ڈال کر سائنسی انداز سے ان مسائل پر از سر نو غور کیا جا سکتا ہے۔ اور موجودہ عہد کے تناظر میں ان پر مزید تحقیقی کام کیا جا سکتا ہے جو آج کی علمی دنیا کے لئے خاصا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

ابھی تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے اس بات کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ انقلاب روس سے پہلے روس میں اسلام شناسی کے نام پر جو بھی تحقیقی کام ہوا ہے۔ اس کا اصل مقصد اسلام کی مخالفت کرنا ہے اس کو سمجھنا سمجھانا نہیں ممکن ہے عہد زیر بحث میں کچھ ایسی بھی کتابیں لکھی گئی ہوں جن میں واقعی اور حقیقی اسلام کی ترجمانی کی گئی ہو۔ لیکن چونکہ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے اس طرح کی کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا اس لئے گمان یہی ہوتا ہے کہ سمرنوف نے بھی ایسی کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسلام شناسی کا یہ رجحان انقلاب روس کے بعد بھی برقرار رہا اور آج بھی برقرار ہے

ٹنڈر نوٹس

ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر چترال کو مختلف بیسک ہیلتھ یونٹوں کے لئے آلات جراحی۔ فرنیچر وغیرہ ہاسپٹل ایکویپمنٹ کے لئے کوٹیشن درج ذیل شرائط پر مطلوب ہیں۔

۱۔ کوٹیشن سربمہر اور رجسٹری لفافہ میں بھیجنا چاہیے۔

۲۔ لفافہ پر لفظ کوٹیشن برائے " ایکویپمنٹ فرنیچر یا بیڈنگ وغیرہ لکھنا ضروری ہے۔

۳۔ ٹنڈر یعنی کوٹیشن زیر دستخطی کے نام بھیجنا چاہیے۔

۴۔ ٹنڈر مورخہ ۸۵/۱۰/۱۲ یعنی ۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۵ء تک ہر حالت میں پہنچنے چاہئیں۔ جس کے بعد کوئی کوٹیشن قابلِ قبول نہ ہوگی۔

۵۔ کوٹیشن مورخہ ۸۶/۶/۳۰ تک کارآمد ہوگی۔

۶۔ کوٹیشن برائے بڈنگ۔ کلودنگ اور ایکویپمنٹ صرف محکمہ صحت کے رجسٹرڈ شدہ فرموں سے قابل قبول ہوں گے۔

۷۔ فرنیچر کے لئے کوٹیشن کے ہمراہ زرضمانت مبلغ =/۵۰۰۰ روپے (مبلغ پانچ ہزار روپے) یعنی کال ڈیپازٹ کے طور پر بھیجنے ہوں گے۔ بغیر کال ڈیپازٹ کے کوٹیشن پر غور نہیں کیا جائے گا۔

۸۔ ہر ایک چیز کے سامنے ساخت اور سائز وغیرہ لکھنا لازمی ہے۔ نامکمل کوٹیشن پر غور نہیں کیا جائے گا۔

۹۔ چترال ہوگی۔

۱۰۔ زیر دستخطی کسی وجہ بتائے بغیر کوٹیشن کو منظور یا مسترد کرنے کا مجاز ہے۔

۱۱۔ ایکویپمنٹ کا فہرست دفتر ہذا سے کسی بھی دفتری اوقات میں دستی یا بذریعہ ڈاک دستیاب ہوگا۔

ڈاکٹر محمد شاہ
ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر
چترال

پروفیسر محمد اسلم

بھارت کا تازہ سفرنامہ

کانپور میں میں نے مُول گنج کے چوراہے پر ایک ہوٹل میں قیام کیا اور نہا دھو کر طلاق محل کی طرف روانہ ہوا طلاق محل مسلمانوں کا محلہ ہے اور وہاں میرے ایک کرم فرما حکیم حبیب الرحمٰن کا مطب ہے۔ حکیم صاحب ان دنوں مشہور مورخ ذکاء اللہ پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں راقم الحروف سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ لیکن اب تک بالمشافہ ملاقات کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ میں جس وقت ان کے مطب پر پہنچا اس وقت موصوف ایک مریض کا معائنہ کر رہے تھے۔ میں بھی سلام کر کے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس مریض سے فارغ ہو کر حکیم صاحب نے میری طرف توجہ دی۔ جب میں نے اپنا نام بتایا تو مسند سے اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئے۔ ان کا گھر بھی مطب سے قریب ہے۔ انہوں نے فوراً ایک ملازم کو دوڑایا اور وہ چائے لے آیا۔ میں بڑی دیر تک حکیم صاحب کے پاس بیٹھا رہا اور انہوں نے مجھے ہائی بلڈ پریشر کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا۔ جسے میں کئی مریضوں پر آزما چکا ہوں۔

حکیم حبیب الرحمٰن صاحب کے مطب سے اٹھ کر میں مچھلی بازار آیا۔ اسی بازار میں وہ تاریخی مسجد ہے جہاں ۱۹۱۳ء میں ایک سانحہ پیش آیا تھا جس کے نتیجے میں ملک گیر تحریک شروع ہوئی تھی۔ اس تحریک نے خونِ مسلم کو گرمانے اور سیاسی شعور پیدا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ میں نے اس مسجد کا بغور معائنہ کیا۔ یہ بڑی ہی خوبصورت مسجد ہے۔ اور اس کی قبلہ رخ دیوار پر ٹائلیں لگی ہوئی ہیں جن پر بڑے خوبصورت نقش و نگار ہیں۔ میں نے دو نمازیں اس مسجد میں ادا کیں اور اگلے روز عشاء کی نماز بھی جماعت کے ساتھ یہاں ادا کی۔

اگلے روز حکیم صاحب ناشتے سے فارغ ہوتے ہی میری قیام گاہ پر تشریف لے آئے اور مجھے پٹکا پور لے گئے۔ پٹکا پور کانپور کا ایک بارونق محلہ ہے۔ اور وہاں مدرسہ جامع العلوم قابلِ دید ہے۔ حاجی عبدالرحمٰن خان نے ۱۳۰۲ھ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے دستِ مبارک سے اس مدرسے کی بنیاد رکھوائی تھی۔ حضرت تھانویؒ کوئی چودہ برس تک اس مدرسے میں تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں اب بھی اس مدرسے کا مسلک "دیوبندی تھانوی" ہے۔

حکیم صاحب نے مجھے مدرسہ دکھایا اور شیخ الحدیث مفتی منظور احمد مظاہری سے میرا تعارف کرایا۔ مفتی صاحب نے ہمیں چائے پلائی اور دیر تک میرے سوالوں کے جواب دیتے رہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ اس وقت ۲۵۰ سے زائد طلبہ دارالاقامہ میں مقیم ہیں اور جو طلبہ شہر سے وہاں پڑھنے آتے ہیں ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ جامع العلوم میں درس نظامی کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اور دورۂ حدیث بھی مکمل کرایا جاتا ہے۔ ہمارے وہاں بیٹھے بیٹھے حدیث کے طلبہ مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث کا درس شروع ہو گیا۔ مفتی صاحب کی اجازت سے یہ عاجز بھی کچھ دیر کے لئے وہاں بیٹھا اور پھر حکیم صاحب کے ساتھ واپس چلا گیا۔

اسی شام حکیم صاحب نے اپنے کئی احباب کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ ان حضرات میں اساتذہ کرام، شعراء اور ادباء شامل تھے۔ کئی گھنٹوں تک یہ علمی محفل جاری رہی۔ اردو فارسی شاعری سے لے کر ہر قسم کے موضوع پر گفتگو رہی۔ اور حاضرین بے حد محظوظ ہوئے۔

رات کو کھانے کے بعد یہ محفل برخاست ہوئی۔

کانپور کا شمار اول درجے کے شہروں میں ہوتا ہے۔ وہاں چمڑا رنگنے کے متعدد کارخانے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ مسلمانوں کی صنعت ہے۔ دریائے گنگا کے کنارے کارخانوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ کانپور میں جفت سازی کا کام بھی خوب ہوتا ہے۔ مختلف بازاروں میں سے گذرا اور جہاں بھی گیا مسلمانوں کو بڑا خوشحال پایا۔ بازاروں میں ان کی بڑی بڑی دکانیں جن میں لاکھوں روپے کا مال موجود تھا، دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ کانپور میں مسلمانوں کے کالج، سکول اور یتیم خانے موجود ہیں۔ حافظ محمد حلیم ساکن لبسی (متصل سرہند شریف) نے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے بڑا کام کیا تھا۔ اور ان کے نام کا ایک کالج اور یتیم خانہ کانپور میں موجود ہے۔

کانپور کا شمار برعظیم پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے اہم علمی اور ادبی مراکز میں ہوتا ہے۔ منشی دیا نرائن نگم نے وہاں سے زمانہ کے نام سے ایک مجلہ جاری کیا تھا جو برعظیم کے علمی و ادبی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک زمانے میں مولانا حسرت موہانی بھی کانپور میں جا بسے تھے اور وہیں سے اپنا رسالہ نکالتے رہے۔ ان کا ایک شعر زبان زد خلائق ہے ؎

نہ چھوٹا دریار ہم سے نہ چھوٹا
بہت ہم نے چاہا بنیں کانپوری

(یہاں دریار سے لکھنؤ مراد ہے جو ان کے مرشد کا وطن تھا) کانپور کا ایک محلہ چمن گنج ہے۔ اسے شعراء، ادباء اور صحافیوں کے قیام کی وجہ سے شہرت ملی ہے۔ اسی طرف "بساطیوں کا تکیہ" کے نام سے ایک قبرستان

ہے جس میں مشاہیر کانپور محوِ خوابِ ابدی ہیں۔

حکیم حبیب الرحمٰن صاحب سے رہنمائی حاصل کرنے کے بعد اگلے روز میں بذریعہ بس گنج مرادآباد روانہ ہوا کانپور سے گنج مرادآباد تک اڑھائی گھنٹے کی مسافت ہے اور بس والے آٹھ روپے کرایہ وصول کرتے ہیں۔

گنج مرادآباد دریائے گنگا کے پار ضلع اناؤ میں واقع ہے۔ راستے میں صفی پور اور بانگر مئو پڑتے ہیں صفی پور مشہور شاعر اقبال صفی پوری کا وطنِ مالوف ہے۔ اور بانگر مئو کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی جائے ولادت کا شرف حاصل ہے۔ بانگر مئو میں کئی قدیم مسجدیں نظر آتی ہیں جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی بستی ہے۔

میں نمازِ ظہر سے کچھ دیر پہلے گنج مرادآباد پہنچا۔ آبادی کے مغربی حصے میں حضرت شاہ فضلِ رحمٰن[1] گنج مرادآبادی کا مزار ہے میں پوچھتے پوچھتے وہاں پہنچا۔ حضرت کا مزار ایک وسیع احاطے کے وسط میں ہے۔ جانب مغرب ایک چھوٹی سی مسجد ہے اس سے ملحق وہ حجرہ ہے جو حضرت کی قیام گاہ تھا۔

شمالی جانب سجادہ نشینوں اور معتقدوں کی چند قبریں ہیں۔ خانقاہ کے جنوبی جانب کے حجرے زمین بوس ہو چکے ہیں۔ میں جس وقت وہاں پہنچا اس وقت خادم وہاں نہ تھا اور مزار مقفل تھا۔ میں نے وضو کیا اور مسجد میں نفل ادا کیے۔ خانقاہ کا جائزہ لیا۔ اسی دوران میں خادم وہاں آگیا اور میری درخواست پر اس نے قفل کھول دیا۔

حضرت فضلِ رحمٰنؒ کے مزار کے اوپر بنگالی طرز کا گنبد بنا ہوا ہے۔ افسوس کہ اس وقت میرے پاس کیمرہ نہ تھا ورنہ میں اس کی تصویر اتار لیتا۔ ایسا انوکھا طرزِ تعمیر اس نواح میں میں نے نہیں دیکھا۔ گنبد کے نیچے تین قبریں ہیں جن کی ترتیب یوں ہے۔

مزار احمد میاں۔ مزار دیوان کریم بخش خان۔ مزار شاہ فضلِ رحمٰنؒ۔ شاہ صاحب کی قبر کے اوپر بھی ایک چھتری بنی ہوئی ہے۔ قبلہ رخ دیوار پر۔ ہٰذا من فضلِ ربی اور ربنا الرحمٰن المستعان۔ جلی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ شاہ صاحب کے مزار پر ایک سرخ رنگ کی چادر پڑی تھی جس پر جا بجا اسمِ ذات چھپا ہوا تھا۔ شمالی دیوار پر ایک کتبہ نصب ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۷۸۶

قطعۂ تاریخ

فرخ آں مرد یگانہ ڈاکٹر ممتاز علی	نجم رخشان سعادت تافت کز سیمای او
بخت و طالع یار و یاور باد اقبالش بلند	صبح نوروزی دمد یا رب شب یلدای او

---

[1] حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ اور شاہ فضل رحمٰنؒ کے نام میں "ال" نہیں آتا۔ بعض غیر محتاط اہل قلم محمود الحسن اور فضل الرحمٰنؒ لکھ دیتے ہیں جو صحیح نہیں۔ فضل رحمٰن سے ۱۲۰۹ برآمد ہوتا ہے اور یہی ان کا سال ولادت ہے۔

داشت از فرطِ ارادت عشق با مولائی خویش　　خاصہ مردے بود از مردانِ حق مولائی او
فضلِ رحمٰن قبلۂ عالم مطاعِ روزگار　　در دلِ اہلِ صفا تا حشر بادا جائی او
گفت تاریخ بنالیش بسمل از روی نیاز　　تا بود وردِ زبان والہ و شیدای او
حبذا لوحِ مزارش قبلۂ دنیائے من　　کعبۂ دینم حطیم روضۂ والای او
۱۳۳۴ھ

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن کے فرزند احمد میاں بھی اسی گنبد کے نیچے آسودۂ خاک ہیں۔ ان کے مزار کے سرہانے دیوار پر ایک کتبہ نصب ہے اور اس پر یہ عبارت منقوش ہے۔

هو الرحمٰن

تاریخ رحلت احمد میاں رحمۃ اللہ علیہ از شیخ نظیر حسین قدوائی فضلِ رحمانی گدیوی ضلع بارہ بنکی

چو از ما رفت مرشد زادۂ ما　　قرار و صبر از دل خستگان رفت
برون آمد فغانہا از زبانہا　　صداہا از زمین تا آسمان رفت
وفات شاہِ اقلیم طریقت　　چنان شد کہ جہان شاہِ جہان رفت
یقین دارم کہ او از فضلِ رحمان　　بہ نزدِ والدِ خود در جنان رفت
نظیرؔ این گفت بہر سالِ رحلت　　بگلزار ارم احمد میاں رفت
۱۳۳۵ھ

گنبد سے جانب غرب مسجد کے صحن میں ایک چھتری کے نیچے احمد میاںؒ کے فرزند شاہ رحمت اللہ محوِ خواب ابدی ہیں۔ ان کے لوحِ مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۷۸۶

تاریخ وصال حضرت مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب سجادہ نشین - ۱۱ مئی ۱۹۶۲ء یوم جمعہ

رفت از دنیا ولی ابن ولی　　صوفی و ابدال و عالم متقی
واقفِ اسرار ذاتِ کبریا　　قلب او زفضلِ رحمٰن منجلی
اصطفارؔ گوید زسالِ رحلتش　　رحمت اللہ دُرِّ جنتی

۶ ذی الحجہ　　۱۳۸۱ھ

گنبد کے باہر جانبِ شمال ایک چبوترے پر شاہ رحمت اللہ کے بھائی شاہ نعمت اللہ کا مزار ہے۔ یہ بزرگ بھی اس خانقاہ کے سجادہ نشین رہ چکے ہیں۔ ان کی قبر پر جو لوح نصب ہے اس پر یہ عبارت منقوش ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انک علی صراط المستقیم
۱۹۵۵ء

ولادت ۱۳۰۷ھ ۔ وصال ۱۳۷۵ھ

قطعۂ تاریخ وفات حضرت آیات مولوی شاہ نعمت اللہ میاں صاحب

با ادب ہشیار رہی رہنا ذرا جوشِ جنوں
فضل و رحمت کا ہے حامل یہ ولی پُر سکوں
بولی رحمت غم میں جوہر کو جو دیکھا سرنگوں
اولیاء کی شان ہے" لاخوف ولاہم یحزنون
۱۳۷۵ھ

نقش بندی و فضل رحمانی — در مزار است صاحب دانش
ذاکر لا الہ الا اللہ — نعمت اللہ میاں فرشتہ منش
۱۳۷۵ھ

پیش کردہ ۔ قاضی فریداحمد (ایٹہ)

میں کچھ دیر مزید خانقاہ میں رُکا۔ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور خانقاہ کے نل سے سیر ہوکر پانی پیا۔ میرے استفسار پر مقامی لوگوں نے بتایا کہ گنج مرادآباد کی آبادی ساڑھے سات ہزار نفوس پر مشتمل ہے اور وہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے۔ مقامی ہندو بھی درگاہ کا بڑا احترام کرتے ہیں۔

گنج مرادآباد سے ۲۴ میل کے فاصلے پر بلہور واقع ہے یہ وہی قصبہ ہے جہاں کے مولانا خرّم علی بلہوری نے بڑا نام پایا ہے۔ گنج مرادآباد سے اگلا اسٹیشن ملاواں ہے جو شاہ فضل رحمٰن کا آبائی وطن ہے۔ گنج مرادآباد میں ان کی سسرال تھی۔ اور موصوف ملاواں سے ترکِ وطن کرکے یہیں آرہے تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے استاد ڈاکٹر عبدالعلیم خان صاحب کے پاس سننِ ابی داؤد کا ایک نسخہ ہے جس پر شاہ صاحب نے شنگرف سے اعراب لگائے تھے۔ اور نسخہ کے آخر میں اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے اس صفحے کا عکس فراہم کیا ہے۔ اور شاہ صاحب نے اپنے قلم سے "فضلِ رحمٰن ملانوی" لکھا ہے۔ یہ نسخہ شاہ صاحب نے اپنے خلیفۂ اعظم مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری کو عطا فرمایا تھا اور انہوں نے اپنے پوتے شاہ فضل اللہ گیلانی کو عنایت فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنی وفات سے قبل یہ نسخہ ڈاکٹر عبدالعلیم خان صاحب کو مرحمت فرمایا تھا۔

میں نے ۱۹۵۸ء میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تصنیف دلپذیر "تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی" نیوکاسل (برطانیہ) میں پڑھی تھی۔ اُسی وقت سے گنج مرادآباد دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔ بلکہ ایک بار میں مرادآباد بھی پہنچ گیا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ مرادآباد اور گنج مرادآباد میں بڑا فاصلہ ہے۔ بارے ۲۵ سال بعد میری آرزو پوری ہوئی۔
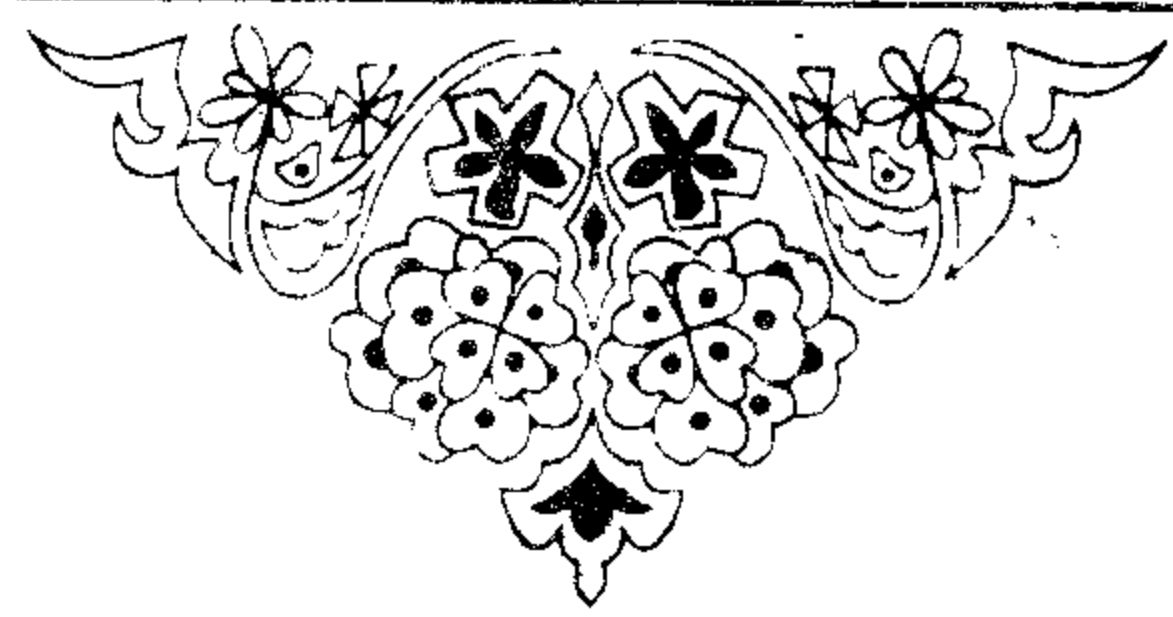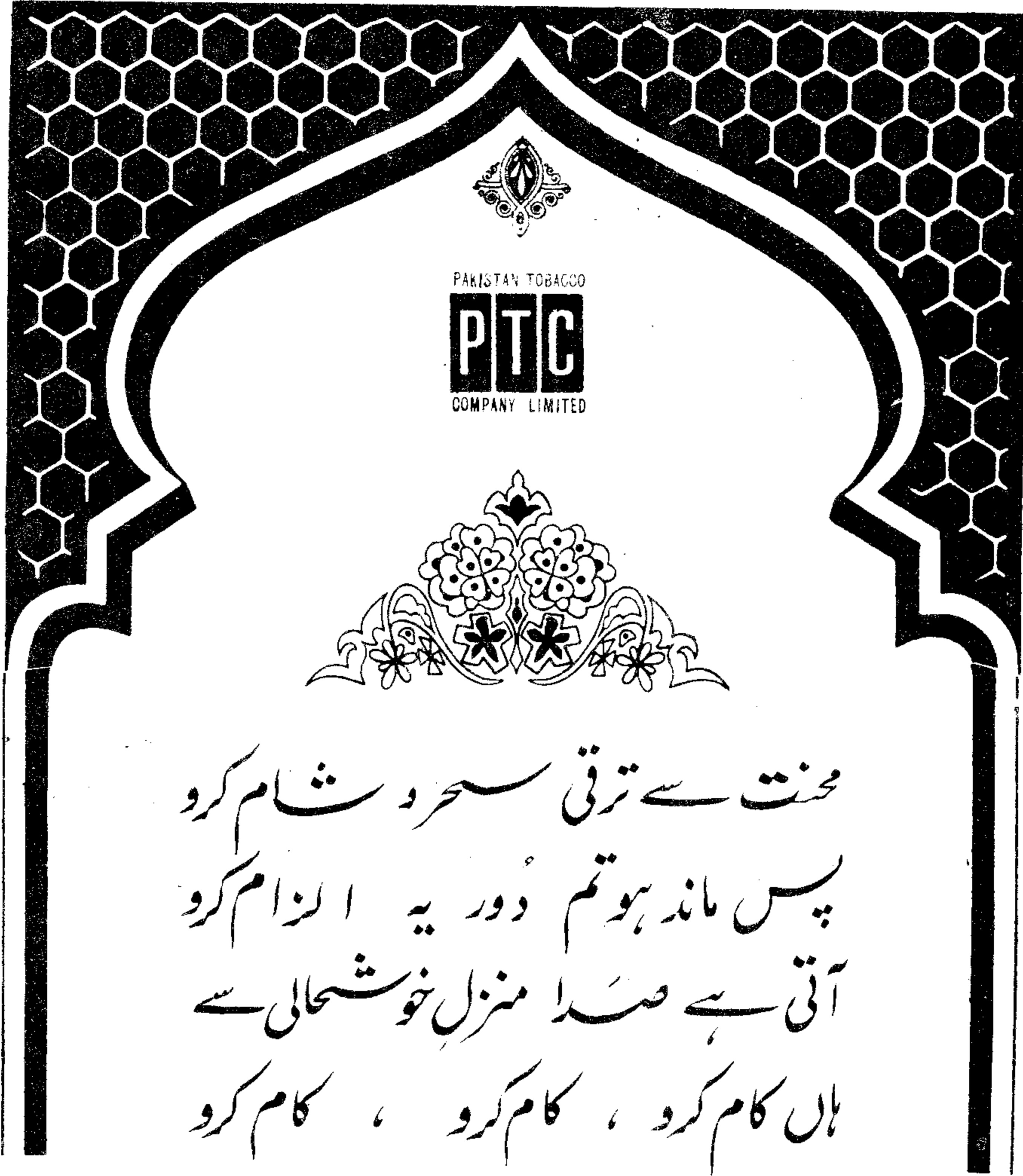
ٹینڈر نوٹس

ٹاؤن کمیٹی اکوڑہ خٹک کو مندرجہ ذیل تعمیراتی کاموں کی تکمیل کیلئے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے ٹینڈر مطلوب ہیں۔ ٹینڈر مورخہ 24/10/85 تک بوقت دس بجے صبح زیر دستخطی کے پاس پہنچ جانی چاہئیں جو اسی روز ٹھیکیداران کے رُوبرُو کھولے جائینگے۔

نوٹ۔ ٹینڈر فارم دفتر ٹاؤن کمیٹی سے قیمتاً حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ۲۔ ٹینڈر منظور کرنے یا نہ کرنے کا قطعی اختیار زیر دستخطی کو ہوگا۔ ۳۔ دیگر شرائط بمطابق ورکس رولز ہونگے۔

نمبر شمار	تفصیل کام	تخمینہ لاگت	زر ضمانت	میعاد کام
۱۔	تعمیر پبلک پارک ٹاؤن کمیٹی آفس اکوڑہ خٹک	88718/=	1774/=	1½ ماہ
2۔	تعمیر گودام روم ٹاؤن کمیٹی اکوڑہ خٹک	74528/=	1491/=	1½ ماہ
3۔	سٹون پچنگ از بازار پُل تا لکے زئی پل	188615/=	3772/=	2½ ماہ
۴۔	تعمیر پبلک پارک محلہ رسال گڑھ	78360/=	1567/=	1½ ماہ
5۔	تعمیر پی پی سی نالی نزد مکان ریاض، حاجی نور اکبر و شیر بہادر تا شمس الرحمان محلہ رسال گڑھ۔	36500/=	730/=	۱ ماہ
6۔	تعمیر دیوار پتھر نزد زمین حاجی عبدالماجد خان شاہی روڈ	86200/=	1724/=	1½ ماہ
7۔	تعمیر دیوار پتھر و پی سی نالی نزد مکان عبدالقیوم محلہ رسول گڑھ	30600/=	612/=	۱ ماہ

المشتہر

جان محمد خان خٹک چیئرمین

ٹاؤن کمیٹی اکوڑہ خٹک

INF (P) 2776

الف-۱-11/84 پی-ای

حکومت پاکستان

وزارتِ تعلیم۔ پرائمری اینڈ نان فارمل ایجوکیشن ونگ۔

68۔ ناظم الدین روڈ۔ الف - 7/4 - اسلام آباد۔

قومی انعامات برائے پرائمری تعلیم

مرکزی وزارت تعلیم نے پرائمری تعلیم کے فروغ اور طلباء و اساتذہ میں تعلیمی مقابلہ کے رجحانات کو ترقی دینے کیلئے قومی سطح پر ایک سکیم کا اجراء کیا ہے۔ اس سکیم کے تحت صوبائی اور قومی سطح پر بہترین پرائمری سکول کے طالب علم استاد اور بہترین سکولوں کو نقد انعامات اور شیلڈز دی جائینگی۔ انعامات دینے کا طریقہ کار مندرجہ ذیل ہوگا۔

انعام برائے طلباء

یہ انعام ضلعی سطح پر پرائمری اسکولوں کے وظائف کے امتحان کے رزلٹ کی بنا پر ہوگا۔

الف۔ قومی سطح پر ایک انعام مبلغ پانچ سو روپے ہر ڈویژن میں اول آنے والے طالب علم کو دیا جائیگا۔ صوبائی سطح پر ہر ضلع میں اول آنے والے طالب علم کو ایک نقد انعام مبلغ/300 روپے دیا جائیگا۔

ب۔ ڈویژن میں اول آنے والے دیہی سکول کے طالب علم کو مبلغ/500 روپے انعام دیا جائیگا۔

ج۔ اگر ان دونوں انعامات میں کوئی طالبہ نہ ہو تو ڈویژن میں اول آنے والی طالبہ کو ایک خصوصی انعام مبلغ/500 روپے دیا جائیگا۔

انعام برائے پرائمری سکول

ضلعی سطح پر سب سے زیادہ وظائف حاصل کرنے والے ادارے کو ایک صوبائی شیلڈ اور ڈویژنل مقابلے میں بہترین سکول کو قومی شیلڈ برائے بہترین کارکردگی دی جائیگی۔

انعام برائے اساتذہ

ضلعی سطح پر بہترین کارکردگی دکھانے والے سکول کے اساتذہ کو مبلغ/1500 روپے نقد صوبائی انعام اور ڈویژن کی سطح پر بہترین سکول کو قومی انعام مبلغ/3000 روپے دیا جائیگا۔ انعام کا ایک تہائی حصہ سکول کے سربراہ اور باقی دو تہائی اساتذہ میں برابر تقسیم

کیا جائیگا۔

اس سلسلے میں تمام صوبائی محکمہ تعلیمات نے ضروری احکامات جاری کر دیئے ہیں۔ اس اشتہار کے ذریعے تمام نظامات تعلیم اور اسکولوں کے سربراہان کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے ان کے سکول کا نام یا مستحق طالب علم کا نام شامل مقابلہ نہیں ہوا تو وہ فوری طور پر متعلقہ ضلعی یا ڈویژنل نظامت تعلیم کی وساطت سے اپنا نام صوبائی حکومت کو بھجوائیں۔ انعامات کا اعلان 31 دسمبر تک کر دیا جائیگا۔

صوبائی اور قومی انعامات پانے والے طلباء اور ان کے والدین اور اساتذہ کے سفری اخراجات مرکزی وزارت تعلیم برداشت کریگی۔

دستخط
طارق نذیر
ریسرچ آفیسر

PID(I)1693/29

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے

توانائی میں بچت کیجیے

آپ کے ملک کا اربوں روپیہ توانائی پر خرچ ہوتا ہے۔ اس کے بے جا استعمال سے گریز کیجیے۔
یاد رکھیے! پٹرولیم پر حکومت روزانہ ۵ کروڑ روپے کا زرِ مبادلہ خرچ کرتی ہے۔ گیس کے استعمال پر بیرونِ ملک قیمت کے لحاظ سے روزانہ ۶ کروڑ روپے۔ بجلی کی پیداوار پر حکومت کا خرچ ۲،۵ کروڑ روپے روزانہ ہوتا ہے۔ پٹرول، ڈیزل، مٹی کا تیل، قدرتی گیس، بجلی ہمارے لئے نعمتیں ہیں۔ ان کا ضیاع مت کیجیے۔ توانائی کے استعمال میں بچت روزمرہ کی زندگی کا اصول بنایئے۔ ایندھن کل کی ضرورت ہے

ادارہ وسائل توانائی حکومت پاکستان

ORIENT ISLAMABAD

F10(II)

Safety
instant milk

REGD-NO,P-90